جامعہ مدنیہ لاہور کا ترجمان

علمی دینی اور اصلاحی مجلہ

انوارِ مدینہ لاہور

بیاد

عالمِ ربانی محدثِ کبیر حضرۃ مولانا سید حامد میاں رحمہ اللہ

بانی جامعہ مدنیہ

نگران

مولانا سید رشید میاں مدظلہ

مہتمم جامعہ مدنیہ، لاہور

ذیقعدہ ۱۴۱۶ھ

اپریل ۱۹۹۶ء

چار عمدہ باتیں

عبداللہ بن مبارکؒ سے منقول ہے کہ ایک عقل مند آدمی نے بہت سی حکمت کی باتیں جمع کیں اس میں سے چالیس ہزار کا انتخاب کیا، پھر اس میں سے چار ہزار کو پسند کیا، پھر اس میں سے چار سو کو چُن لیا، پھر اس میں سے چالیس کا انتخاب کیا، پھر اس میں سے چار عمدہ باتیں چھانٹ کر الگ کر لیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ

① ہر عورت پر بھروسہ نہ کرو۔

② دوسری یہ کہ کسی وقت اپنے مال و دولت کی وجہ سے مغرور ہو کر دھوکہ نہ کھاجاؤ۔

③ تیسری یہ کہ اپنے معدہ کو اتنا نہ بھر لو کہ ہضم نہ کر سکو۔

④ چوتھی یہ ہے کہ خراب علوم و فنون کو اکٹھا نہ کرو جن سے تم کو نہ دُنیا کا فائدہ پہنچ سکتا ہے اور نہ دین کا۔ (المنبہات علی الاستعداد لیوم المعاد مترجم، ص: ۹۷، ۹۸)

CHAMBER OF COMMERCE S.R. 747452

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ماہنامہ

انوار مدینہ

جلد : ۴ | ذیقعدہ ۱۴۱۶ھ - اپریل ۱۹۹۶ء | شمارہ : ۷

مدیر

سیّد محمود میاں

مدرس و نائب مہتمم جامعہ مدنیہ لاہور

بدلِ اشتراک

پاکستان فی پرچہ ۱۰ روپے	سالانہ	۱۱۰ روپے
سعودی عرب، متحدہ عرب امارات . . .	"	۴۵ ریال
بھارت، بنگلہ دیش	"	۱۰ امریکی ڈالر
امریکہ افریقہ	"	۱۶ ڈالر
برطانیہ	"	۱۷ ڈالر

○ اس دائرہ میں سُرخ نشان اس بات کی علامت ہے کہ ماہ . . . . . سے آپ کی مُدّتِ خریداری ختم ہوگئی ہے، آئندہ رسالہ جاری رکھنے کے لیے مبلغ . . . . ارسال فرمائیں۔

ترسیلِ زر و رابطہ کے لیے دفتر ماہنامہ "انوارِ مدینہ" جامعہ مدنیہ کریم پارک لاہور۔ کوڈ ۵۴۰۰۰، فون ۲۰۱۰۸۶ - ۷۷۲۴۲۷۳

سیّد رشید میاں طابع و ناشر نے شرکت پرنٹنگ پریس لاہور سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ "انوار مدینہ"، جامعہ مدنیہ کریم پارک لاہور سے شائع کیا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حرفِ آغاز

سیّد محمود میاں

زوال کا باعث اسلام پر عمل نہ کرنا ہے نہ کہ اسلام۔ میں نے سنا ہے کہ فوج میں آج بھی وہ دستہ جس نے سلطان ٹیپو رحمۃ اللہ علیہ کو شہید کیا تھا اسی طرح اپنے اسلاف کی اس مذموم حرکت کو اپنے لیے باعثِ فخر قرار دیتا ہے۔ مرحوم کے لباس اور تلوار کو مفتوح و مغلوب سے چھینا ہوا سامان جانتا ہے اور اس کی نمائش اس طرح کرتا ہے جیسے وہ آج بھی یونین جیک کے سایہ تلے کھڑا ہے۔ حالانکہ اسے مرحوم کی اس تلوار کو چومنا چاہیئے تھا اور اسے اپنا نشانِ خاص بنانا چاہیئے تھا۔ اگر یہ بات صحیح ہے تو حکومت کا فرض ہے کہ وہ انہیں اپنی تاریخ سے باخبر کرے اور انگریز کی ذہنی غلامی سے نجات دلائے۔ یہ بات ہماری قوم کے لیے باعثِ ذِلّت ہے کہ وہ چالیس سال بعد بھی اپنی تاریخ سے جاہل رہیں۔

مستشرقین جن کا کام ہی اسلام سے نفرت دلانا ہے طرح طرح کے اعتراضات کرتے رہتے ہیں۔ مجھ سے اسلام میں باندیوں کے رَواج کے بارے میں بہت لوگوں نے پوچھا، لیکن اس کی حقیقت سمجھ لینی چاہیئے کہ دراصل یہ قانون کفّار کی جوابی کارروائی کی صورت میں عمل پذیر ہوتا ہے ورنہ نہیں۔ یعنی اگر وہ ہمارے جنگی قیدیوں کو باندی اور غلام بنائیں تو ہم بھی بنائیں گے اور اگر وہ انہیں صرف قیدی بنا کر رکھیں تو ہمیں حق نہیں کہ ہم ان کے قیدیوں کو غلام بنائیں۔ ہم بھی انہیں قیدی ہی بنا کر رکھیں گے۔

پہلے زمانے میں یہ دستور تھا کہ جنگی قیدیوں کا بار بجائے اس کے کہ صرف حکومت برداشت کرے اور وہ بھی قید میں وقت گزاریں انہیں پبلک میں تقسیم کر دیا جاتا تھا۔ لوگ ان سے مختلف کام لیتے رہتے تھے۔ گھروں میں

رہنے کو جگہ دیتے تھے۔ کھانا، لباس سب مالک کے ذمّہ ہوتا تھا۔ اس طرح شاہی خزانہ پر ان کا بار نہ پڑتا تھا۔ دُنیا کے ہر ملک میں یہی طریقہ تھا، لیکن اسلام نے جب پھیلنا شروع کیا تو یورپ تک کے علاقے زیرِ نگیں آگئے۔ اور قیدی اور باندی غلام غیر مسلم ہی بنتے رہے اس لیے اب آکر یورپ والوں نے یہ شہرت دینی شروع کی ہے کہ اسلام میں باندی اور غلام بنانے کا قاعدہ ساری دُنیا سے ہٹ کر ہے، جبکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ دنیا بھر کا دستور تھا۔ یورپ میں بھی قیدیوں کو غلام بنایا جاتا تھا۔ حضرت صہیب رضی اللہ عنہ جو رومی کہلاتے تھے اسی طرح رومیوں نے انہیں غلام بنایا تھا۔

اسلامی افواج کو جہاد میں اور خصوصاً عہد شکنی کی صورتوں میں نقصان بھی اُٹھانا پڑا ہے اور انہیں فَكَاكُ الْاَسِيْر قیدیوں کے آزاد کرانے کے جو احکام تبلائے گئے تھے ان پر عمل کرتے ہوئے غلام بنانے کے بجائے قیدی ہی رکھا گیا اور اپنے قیدیوں کو چھڑانے کے لیے تبادلے میں دیا گیا۔

مستشرقین کے اٹھاتے ہوتے اور بھی بہت سے اعتراضات ہیں، لیکن اگر بنظرِ غائر دیکھا جائے تو وہ سب اسی قسم کے ہیں کہ حقائق کو مسخ کر کے صرف ایک نکتہ کو اٹھایا گیا اور اسے بری شکل دے کر ہدفِ تنقید بنایا گیا ہے۔

گزشتہ چھ سالہ عرصہ میں کمیونسٹ نظام کے داعی اور سوشلسٹ قسم کے لوگوں سے ملاقاتیں رہیں، لیکن میں نے انہیں اسلامی نظام سے ناواقف پایا۔ جواباً وہ اسلامی نظام کو پسند کر کے ہی جاتے رہے ہیں۔ ہمارے حکمرانوں کی قسمت ہی کی بات ہے، ورنہ وہ اسے عملی جامہ پہنا سکتے ہیں اور اس میں عقلاً بھی کمیونزم و سوشلزم سے زیادہ خوبیاں ہیں اور ملک کی بدقسمتی کا یہ منظر بھی آپ کے سامنے ہے کہ پبلک اسلام چاہتی ہے اور عنانِ اقتدار پر مسلط طبقہ اس کے نفاذ کے خلاف ہے اور مطلب کے لیے اسلام کا نام لیوا نہ معلوم انجام کیا ہو۔

اسی دوران میرے پاس ایک وکیل آئے انہوں نے کہا کہ اسلام میں ٹریفک کے قوانین کہاں ہیں؟

اس کا جواب اگر وہ عقل کا مثبت استعمال کرتے تو شاید خود ہی دے سکتے تھے کہ سلامتی اور امن کے لیے جس قانون کی ضرورت ہو وہ مقننہ پاس کر سکتی ہے۔ ایسے قوانین سب اسلام کے مطابق ہوں گے اور ان پر عمل باعثِ اجر بھی ہوگا۔

اسلام کا نام لیتے ہی اس کے خلاف باتیں کر ڈالنا جائز نہیں ہے۔ ایسے اشخاص کا یہ فرض ہے کہ وہ اسے کسی عالم سے مل کر حل کرے اور اپنے ایمان کا تحفظ کرے۔

اسی دوران ایک عالی دماغ لیڈر سے ملاقات ہوئی۔ ان کا خیال یہ تھا کہ اسلام میں حکومت نہیں ہے،

کیونکہ اسلام میں مقننہ نہیں ہوتی۔

غرض بہت سی باتیں اپنے ذہن سے ناتمام مطالعہ اور اہلِ علم سے رجوع نہ کرنے کے باعث پیدا ہو جاتی ہیں۔ یہ قابلِ علاج ہیں۔ جو مخلص ہیں وہ اصلاح قبول کرتے ہیں۔ مکمل جواب سے ان کی تشفی ہو جاتی ہے۔

میری ان گزارشات کا خلاصہ یہ ہوا کہ اسلامی نظام قانون تبدیل ہوگا تو آئے گا اور یہاں موجودہ قانون کی جگہ فقہ حنفی پر مرتب قانون بذریعہ تراجم فوراً لایا جائے۔

- اس کے اثرات امن وسکون کے علاوہ اقتصادیات و معاشیات و اخلاقیات پر فوراً مرتب ہوں گے۔
- ہر شخص موجودہ انگریزی غلامانہ قانون کی رُو سے اپنے آپ کو باعزت ثابت کرے تو وہ باعزت تسلیم کیا جائے گا، جبکہ اسلام کی نظر میں اس کے قانون کی رو سے باعزت ہے۔
- یہ قانون صوبوں سے بڑھ کر علاقوں تک کو ان کے حقوق دلاتا ہے۔ اس کا فوری نفاذ وقت کی اہم ترین ضرورت ہے۔
- یہ قانون مکمل ترین حالت میں موجود ہے۔ یہ موجودہ انگریزی قانون سے بہت زیادہ مکمل ہے
- یہ قانون انگریزوں کے جاری کردہ قوانین کی موجودگی میں آنا ممکن نہیں ہے نہ ہی اسے اس سے جوڑا جا سکتا ہے۔ نہ وہ تھوڑا تھوڑا آسکتا ہے۔ وہ جب آئے گا تو مکمل آئے گا آدھا تہائی نہیں۔
- اس قانون کی رُو سے حکمرانوں کے ذمہ رعایا کو ہر طرح کی سہولت پہنچانا فرض ہوتا ہے، جبکہ انگریز کے متروکہ نظریہ حکومت کی رو سے جو اس نے برِصغیر میں اختیار کیے رکھا۔ حکومت عوام کو لوٹتی ہے اور اس کے پیشِ نظر صرف اپنا خزانہ بھرے رکھنا ہوتا ہے۔ وہ اسی قسم کے قانون بناتی رہتی ہے۔
- اسمبلی مقننہ رہتی ہے، لیکن وہ ایسے قوانین وضع کرے گی جس سے اسلامی اصولوں کو تقویت ہو۔
- اس قانون کے نفاذ سے مذہبی تنازعات ختم ہو جائیں گے۔ فرقہ واریت بڑھنے کے خدشات توہمات باطلہ ہیں۔

واللہ المستعان وھو ولی التوفیق

موجودہ شریعت بل کی شق نمبر ۴ یہ ہے۔ "مسلمہ فقہاءِ اسلام کی تشریحات"

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مسلمہ فقہاءِ اسلام تو بہت ہیں۔ جیسے ترمذی شریف میں جابجا سفیان ثوری، سفیان بن عیینہ شعبہ ابن مبارک، اسحاق وغیرہ کا ذکر ہے۔ ترمذی کے علاوہ اور کتابوں میں شام کے مکحول اور اوزاعی،

مصر کے لیث اور ان جیسے بیسیوں اکابرِ اُمّت کے اقوال و تحقیقات کا ذکر ہے۔ ان کے علاوہ تابعین اور تبع تابعین میں ایسے حضرات کی تعداد تو بہت ہی زیادہ ہے۔ حاکم نیساپوری نے اپنی مایۂ ناز کتاب "معرفت علوم الحدیث" میں یکجا کرنے کی کوشش کی ہے۔ (حاکم (۳۲۱ پیدائش ۴۰۵ وفات) نے یہ کہہ کر کہ ان کی حدیثیں لکھی جاتی ہیں، ان کا ذکر باعثِ برکت ہے اور شرقاً غرباً معروف ہیں اپنی اس کتاب میں ص ۲۴۰ سے فہرست دی ہے۔ اسمار علمارِ مدینہ میں چودہ سطریں، اہلِ مکہ میں چھ سطریں، اہلِ مصر پانچ سطریں، اہلِ شام بیس سطریں، اہلِ یمن تو سطریں، اہلِ یمامہ دو سطریں، اہلِ کوفہ بہتر سطریں، اہلِ جزیرہ دس سطریں اہلِ بصرہ بائیس سطریں، اہلِ واسط چار سطریں، اہلِ خراسان انیس سطریں لکھی ہیں۔ ہر سطر میں اگر تین نام اوسطاً رکھے جائیں تو یہ ساڑھے پانچسو کے قریب علمار بنتے ہیں۔

یہاں ذیل میں میں ایک بات کی طرف توجّہ دلاتا چلوں کہ صرف کوفہ کے علمار کی ۲۷ سطریں بنتی ہیں اور پوری دنیا کے علمار کی ۱۱۱ سطریں۔ اس طرح صرف کوفہ کے علمار کی تعداد ۳۳۳ بنتی ہے۔ یہی چیز علمِ حدیث، فقہ، اصولِ حدیث و فقہ اور علمِ قرأت کے اعتبار سے پوری دُنیا میں مذہبِ اہلِ کوفہ کے سبب کا غلبہ رہی ہے۔ امام بخاریؒ نے فرمایا ہے "لا احصی ما دخلت الکوفۃ یعنی کوفہ جتنی دفعہ گیا ہوں اس کا شمار نہیں۔ قرأت روایت حفص آج تک پوری دنیا میں رائج ہے یہ کوفہ ہی کی ہے اور امام اعظم ابوحنیفہ النعمان کی بھی۔ قرأتِ سبعہ متواترہ میں سے تین قاری صرف کوفہ کے ہیں اور قرأتِ عشرہ متواترہ کے قاریوں میں چار صرف کوفہ کے ہیں علمارِ کوفہ کی اسی کثرت سے ان کا علمِ حدیث، علمِ تفسیر اور علمِ فقہ میں تفوق و بلند رتبہ ہونا ظاہر ہو رہا ہے۔ نیز علاوہ حدیث و فقہ کے لغت اور صرف و نحو میں علمارِ کوفہ اور علمارِ بصرہ کے مذاکرات اور آرار الگ مسلم چلی آرہی ہیں۔ اسی لیے قاموس وغیرہ کتبِ لغت میں بھی کوفہ کو قبۃ الاسلام لکھتے ہیں۔ کوفہ کا اس لقب سے کتبِ لغت تک میں ذکر کیا جانا بڑی اہم بات ہے اور صاحبِ قاموس تو مسلکاً بھی شافعی ہیں۔ بس اس ذیلی بات کو یہیں ختم کرتا ہوں اور اب میں آپ کے سامنے یہ بات رکھنی چاہتا ہوں کہ شریعت بل کی مذکورہ شق نمبر ۴ کی رو سے جب کوئی قانون ساز کونسل ایک سرے سے تمام قوانین کا جائزہ لینا شروع کرے گی یا ترتیب و تدوین یا قانون سازی کرے گی تو وہ ان مذکورۃ الصدر علمار میں سے کس کی تحقیق پر چلے گا؟ اس کونسل میں شریک ہر فرد کو اختیار ہوگا کہ وہ ان میں سے کسی بھی ایک کی مرجوح و متروک و تحقیق لے لے تو متفقہ قانون کیسے بنے گا؟ ہر ایک اپنی پسند کی رائے یا دلیل کو ترجیح دے گا اور ایک مسئلہ بھی حل نہ ہو سکے گا خصوصاً اس دور میں جبکہ تقوے سے لوگ

خالی ہیں اور عُجب (خود پسندی) عام ہے۔ غرض اس طرز پر کام کرنا بے سُود بلکہ مضر ہوگا، کیونکہ مدّتوں پہلے ابتدائی دور تابعین و تبع تابعین میں یہ ہو چکا ہے اور ہر مسئلہ پر بحث و تمحیص اور علمی مذاکرے ہو چکے ہیں۔ اس کو میں حاکم کی اسی کتاب میں درج ایک مثال پیش کر کے واضح کرنا چاہتا ہوں۔

عبدالوارث بن سعیدؒ مکہ مکرمہ پہنچے تو انہیں خرید و فروخت کے معاملات میں ایک مسئلہ پیش آگیا۔ وہاں ابوحنیفہؒ، ابن ابی لیلیٰ اور ابنِ شبرمہؒ آئے ہوئے تھے۔ انہوں نے پہلے تو ابوحنیفہؒ سے رجوع کیا کہ ایک شخص نے کوئی چیز فروخت کی اور ساتھ ہی شرط بھی لگادی (مثلاً کسی نے قلم بیچا، لیکن بیع کے منافی یہ شرط لگادی کہ جب مجھے ضرورت ہوگی تو میں استعمال کروں گا) امام ابوحنیفہؒ نے جواب دیا کہ بیع بھی باطل ہے اور شرط بھی باطل ہے

عبدالوارث کہتے ہیں کہ پھر میں ابن ابی لیلیٰؒ کے پاس گیا اور ان سے یہی مسئلہ پوچھا انہوں نے جواب دیا کہ بیع (سودا) جائز ہے اور شرط باطل ہے، پھر میں ابنِ شبرمہؒ کے پاس گیا ان سے یہی مسئلہ دریافت کیا؟ انہوں نے جواب دیا کہ بیع بھی جائز ہے اور شرط بھی جائز ہے۔ میں نے کہا، سبحان اللہ! آپ عراق کے تین فقیہہ ہیں اور ایک ہی مسئلہ میں آپس میں اتنا اختلاف! تو میں ابوحنیفہؒ کے پاس گیا انہیں یہ بات سنائی، انہوں نے فرمایا کہ میں نہیں جانتا کہ ان دونوں نے کیا جواب دیا، لیکن :

حدثنی عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم نھی عن بیع و شرط

مجھے عمرو بن شعیب نے اپنے والد سے انہوں نے اپنے دادا سے یہ روایت بیان کی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع اور شرط سے منع فرمایا ہے، لہٰذا بیع بھی باطل اور شرط بھی باطل۔

پھر میں ابن ابی لیلیٰؒ کے پاس گیا۔ انہیں میں نے یہ تبلایا تو انہوں نے جواب دیا کہ مجھے نہیں پتہ کہ دونوں نے کیا کہا لیکن :

حدثنی ھشام بن عروۃ عن ابیہ عن عائشۃ قالت امرنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اشتری بریرۃ فاعتقھا۔

مجھے ہشام بن عروہ نے اپنے والد سے اور انہوں نے حضرت عائشہ رضؓ سے یہ روایت سنائی کہ مجھے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا کہ میں بریرہؓ کو خرید کر آزاد کردوں (باوجودیکہ انکے مالک نے بیع کے منافی ایک شرط لگائی تھی۔

پھر میں ابنِ شبرمہؒ کے پاس گیا انہیں ساری بات سنائی، انہوں نے کہا کہ مجھے معلوم نہیں کہ ان دونوں نے کیا کہا ہے لیکن:

حدثنی مسعر بن کدام عن محارب بن دثار عن جابر قال بعت من النبی صلی اللہ علیہ وسلم ناقۃ وشرط لی حملانھا الی المدینۃ	مجھے مسعر بن کدام نے محارب بن دثار سے انہوں نے حضرۃ جابرؓ سے یہ روایت بیان کی ہے کہ میں نے (سفر میں) جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ اونٹنی فروخت کی تھی اور آپ نے اس پر مدینہ منورہ تک سفر کی شرط منظور فرمائی تھی۔ لہذا بیع بھی جائز اور شرط بھی جائز ہے۔

(معرفۃ علوم الحدیث ص: ۱۲۸)

اسی طرح ایک اور مثال بھی ملاحظہ فرمالیں جو بخاری شریف سے نقل کر رہا ہوں۔ یہی ابن شبرمہؒ (قاضی کوفہ) فرماتے ہیں کہ مجھ سے ابوالزنادؒ (قاضی مدینہ منورہ واستاد امام مالکؒ) نے اس مسئلہ میں گفتگو کی کہ مدعی کے پاس ایک ہی گواہ ہو تو اس سے دوسرے گواہ کے نہ ملنے کی صورت میں بجائے گواہ کے قسم کھلوائی جائے (اور یہی ان کا اور اہلِ مدینہ کا مسلک تھا) میں نے انہیں جواب دیا کہ قرآنِ پاک میں مدعی کے پاس دو گواہ نہ ہونے کی صورت میں یہ حکم ہے کہ پھر دو عورتیں ہوں اور طویل عبارت اختیار فرمائی گئی۔

فَرَجُلٌ وَّامْرَأَتٰنِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰىهُمَا فَتُذَكِّرَ اِحْدٰىهُمَا الْاُخْرٰى۔ (سورۃ بقرہ آیت ۲۸۲)

(اگر ایک گواہ اور مدعی کی قسم کافی ہو سکتے تو قرآن پاک میں مختصر کلمات میں ارشاد ہوتا۔ فَرَجُلٌ وَّيَمِيْنٌ)

(بخاری ص ۳۶۶ ج: ۱)

غرض اس طرح علماءِ بلاد تک میں بھی سب مسائل پر گفتگو ہو چکی ہے۔ اب اگر کوئی کمیٹی یا بورڈ یہی کام شروع کرے گا تو تیرہ سو سال پیچھے لوٹنے کے مترادف ہوگا اور کم علمی اور تقویٰ کے فقدان کی وجہ سے دین کا کھیل بنانا ہوگا۔ خیر القرون میں مذکورہ بالا طریق پر نہایت بے نفسی کے ساتھ قرآن پاک اور احادیث کی روشنی میں علماء میں بہت بحث وتمحیص ہوتی رہی ہے۔ بہت سے مسائل ایسے تھے کہ جن میں ایک شہر کے علماء کا ایک موقف تھا اور دوسرے شہر کے علماء کا دوسرا موقف تھا۔ مثلاً وہ مسائل کہ جن میں علماء مدینہ اور علماء کوفہ کا اختلاف تھا (کیونکہ رفتہ رفتہ ایک ایک شہر کے علماء آپس میں گفتگو کر کے ایک ایک موقف پر متفق ہونے چلے گئے تھے امام بخاریؒ نے بخاری شریف میں اس قسم کا ایک مستقل باب رکھا ہے جس کا عنوان ہے ما

اجمع علیہ الحرمان) چنانچہ ایسے مسائل پر اہم بحثیں کتابوں کی شکل میں آئیں۔ ائمہ حدیث و فقہ نے یہ کتابیں لکھیں۔ امام محمدؒ نے "کتاب الحجۃ علی اھل المدینۃ" پھر امام شافعیؒ نے "کتاب الام" لکھی ... پھر بعد کے دور میں امام بیہقیؒ نے امام شافعیؒ کی تائید میں "سُنن کبریٰ" لکھی تو اس پر امام ابن الترکمانی نے "الجوہر النقی" لکھی۔ "الجواہر النقی" بیہقی پر ایسی چسپاں ہوئی کہ آج تک اس کے ساتھ مستقلاً لگی ہوئی چلی آرہی ہے۔ اب اس سمیت طبع ہوتی ہے۔ امام ابو یوسف نے "اختلاف ابی حنیفہ وابنِ ابی لیلیٰ" اپنے دونوں استادوں کے اختلاف پر لکھی۔ (امام ابو یوسف و امام محمدؒ تبع تابعین میں ہیں) امام ابو یوسف کی یہ تصنیف اس قسم کے انداز کی پہلی معروف تصنیف ہے۔ پھر امام طحاویؒ نے صحابہ کرام تابعین اور مجتہدین کے اختلاف پر مفصل کتاب لکھی۔ ابن ندیم نے لکھا ہے کہ میں نے ان کی اس تصنیف کے اسّی اجزاء دیکھے ہیں۔ ان کے بعد اس موضوع پر ابنِ منذر اور ابن نصر نے کتابیں لکھیں پھر امام ابن جریر طبری نے ایک ضخیم کتاب لکھی ... یہ کام دوسری اور تیسری صدی میں ہوا۔ پھر اس کے بعد ابن عبدالبرؒ مالکی نے اس موضوع پر لکھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ پوری دنیا صرف چار مسلکوں پر قائم رہ گئی، بلکہ صرف تین پر آگئی، پھر چوتھی صدی میں حنبلی مسلک بھی نمایاں ہونا شروع ہوا۔ یہ اختلاف اہلِ تقویٰ کا تھا اس لیے چیدہ چیدہ سینکڑوں علماء کی ایک ایک بات پر گفتگو نتیجہ خیز رہی اور دنیائے اسلام سینکڑوں مسالک سے ہٹ کر صرف چار پر آگئی۔ اس وقت سے لے کر ایک ہزار سے زیادہ سال تک اسلامی حکومتیں ان ہی قوانین پر چلتی رہیں اور چونکہ اس طویل ترین دور میں علم اور قانونی فیصلے اور فتوے سب شرعی ہوتے رہے۔ اور علم ہی علم دین کو کہا جاتا تھا۔ اس لیے بلا مبالغہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ فقط حنفی مسلک ہی کی ایک ایک بات کی تائید آج تک ایک کروڑ علماء ورنہ لاکھوں علماء کرتے آئے ہیں کروڑوں علماء و اولیاء اور عربوں مسلمان اس پر عمل پیرا رہے ہیں اور حکومتیں چلتی رہی ہیں۔ لہٰذا آج فقہ حنفی اور اس پر مبنی قانون وہ ہے جسے اُمّت مسلمہ کی اتنی بڑی تعداد کی تائید حاصل ہے۔ آپ حضرات کی یعنی شریعت بل کی مذکورہ شق لانے والوں کی خواہش یہ ہے کہ وہ ذخیرہ تو ایک طرف لپیٹ کر رکھ دیا جائے اور یہ بورڈ جو آج کی نفس پرست حکومت اپنے دل پسند علماء پر مشتمل کر کے بنا دے۔ دین کے تمام معاملات میں سیاہ و سفید کی مالک بن بیٹھے اور از سرِ نو ابو حنیفہ، ابن ابی لیلیٰ، ابن شبرمہ، ابن ابی الزناد رحمہم اللہ کے دور کی طرح ہر مسئلہ کو ادھیڑ کر بساطِ سخن دراز کی جائے اور سرکاری علماء کے بورڈ کو مختار کل اور شرعی مقدس امور کا منبع قرار دیا جائے۔ یہ کہاں کی دیانت و عقل مندی ہوگی اور کوئی مسلمان جس کا آخرت پر ایمان ہوگا اسے کیسے تسلیم کرے گا۔ دین میں یہ ڈرامہ اور مسخرہ پن نہ چل سکے گا۔ رجم زنا کی حد ہے یا نہیں۔ عورت کی شہادت، عورت کی دیت پر ہر خود پسند ہمہ دانی کا دعویٰ کر کے

قلم کی جولانی دکھائی۔ شرعی مسائل پر اسی طرح کا تماشا پھر لگے گا۔ عجب رقصِ شتر کا منظر سامنے آئے گا۔ اتنا شور مچے گا کہ کان پڑی آواز سنائی نہ دے گی۔

ممکن ہے شریعت بل والوں کے ذہن میں یہ ہو کہ ہم چاروں اماموں میں سے جس کے بھی مسلک میں آسانی نظر آئے گی اختیار کرلیں گے۔ چاروں کی فقہوں کو سامنے رکھ کر ان میں سے آسان چیزیں لے کر جدید فقہ تیار کرلیں گے، لیکن ایسا کرنا سب ائمہ کے متبعین کے نزدیک جائز نہیں ہے۔ علماء نے اس کا نام تلفیق رکھا ہے۔ یہ ممنوع ہے۔ اگر آپ لوگوں کی خواہش یہ ہے تو اسے اتباعِ حق نہیں کہا جائے گا اسے اتباعِ ہوا کہا جائے گا۔ اہلِ اہواء بدعتی شمار کئے گئے ہیں۔ آپ اس باطل اور غلط بنیاد پر جو عمارت بنائیں گے وہ غلط ہوگی۔ اسے وہی علماء صحیح کہہ سکیں گے جو دین کو دُنیا کے عوض بیچنے پر راضی ہوں۔

اگر مسلمانوں کو یہ سبز باغ دکھایا جائے کہ اس طرح کی شریعت آج کے تقاضوں پر پوری اتر سکے گی تو یہ بھی خام خیالی سے زیادہ کچھ نہیں، کیونکہ مسالک تو چاروں ہی پُرانے ہیں۔ اگر نئے دَور تک کوئی مسلک حاوی ہو سکتا ہے تو وہ حنفی ہی ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ یہ سب دین سے بھاگنے کی صورتیں ہیں نہ کہ دین پر عمل کی۔ اس طرح کی تدابیر سے جو دین معرضِ وجود میں آئیگا وہ چھوٹا دینِ اکبری ہوگا۔ سود اور جُوا جائز قرار دیا جائے گا وغیرہ۔ وغیرہ۔

آج کل حامیانِ شریعت بل یہ بھی کہہ رہے ہیں کہ علماء کے بائیس نکات دین کے نفاذ کے لیے کافی ہیں۔ (اور بعض لوگ تو حضرت مفتی کفایت اللہ صاحبؒ کا انگریز کافر کے دَور کا ۳۵ء کا فتویٰ بھی اس اپنے ناقص شریعت بل کے لیے مسلمان ملک میں دلیل کے طور پر اٹھا کر لے آئے ہیں (لاحول ولاقوۃ اِلّا باللہ) اور ابھی میں یہ مضمون لکھ ہی رہا تھا کہ مئی کا میثاق موصول ہوا۔ اس میں بھی عجیب باتیں لکھی ہیں۔

اس میں مقبول الرّحیم مفتی صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت شیخ الہندؒ سے لے کر اب تک ہماری جمعیۃ نے نفاذ فقہ حنفی کو اپنا موقف نہیں بنایا۔ علامہ عثمانیؒ نے بائیس نکات کو موقف ٹھہرایا تھا۔ اُنہوں نے فقہ حنفی کو موقف نہیں بنایا تو آپ لوگ کیوں اسے اپنا موقف بنا رہے ہیں۔ لیکن یہ دلیل بے وزن ہے۔ اس کے جواب میں کہا جا سکتا ہے کہ علامہ عثمانیؒ نے بائیس نکات کو کیوں موقف بنایا تھا جبکہ ان کے اسلاف نے بائیس نکات کی کبھی بات نہیں کی تھی۔ اصل بات تو یہ ہے کہ علامہ عثمانیؒ نے یہ تمہید کی تھی۔ یہ نکات شریعت کے نفاذ کے لیے ہی تجویز کیے تھے اور نفاذِ قانون شریعت اس کے سوا کسی صورت نہیں ہو سکتا کہ عدلیہ مرتب کو شرعی احکام کے تراجم مہیّا کر دیئے جائیں اور مرتب شدہ احکام فقہ کے سوا اور ہیں ہی کہاں۔ اسلیئے

آج کی صورت حال میں فقہ حنفی کے نفاذ کا انکار شریعت کے نفاذ کے مترادف ہے۔

نیز یہ بھی غور کریں کہ علامہ عثمانیؒ جن کی ساری زندگی قرآن وحدیث کی خدمت میں گزری ... پاکستان بننے کے بعد اپنے دینی جذبات بروئے کار نہیں لا سکے۔ اس عظیم صدمہ پر ان کے آنسو بہتے دیکھنے والے تو آج تک زندہ ہیں۔ اگرچہ مولانا عرض محمد، مولانا عبدالواحد صاحب خطیب گوجرانوالہ کی وفات ہوگئی جو ان کے براہِ راست شاگرد تھے، مگر مولانا عبدالواحد صاحب مدظلہٗ کی طرح ان حضرات کے ساتھ والے علماء بفضلہٖ تعالیٰ موجود ہیں۔ غرض علماء کی خواہش وامنگ اور اجڑ کر آنے والے تباہ حال مسلمان عوام کی دلی تمنّا تو یہ تھی کہ پاکستان میں اسلامی قوانین ہوں گے، لیکن خواص کے افکار اور ہی تھے۔ مذہب سے ان کا کوئی تعلّق نہیں تھا۔ چنانچہ آزادی کے بعد جو حکومتی ڈھانچہ معرضِ وجود میں آیا وہ سیکولر یا لامذہب حکومت کا تھا۔ چیف جسٹس کارنیلیس (عیسائی) وزیرِ قانون جوگندرناتھ منڈل (ہندو) وزیرِ خارجہ ظفراللہ خاں (قادیانی) افواج کے سب سربراہ انگریز (عیسائی یا لامذہب) جنرل میسروی، جنرل گریسی، فضائیہ کے آر ایچ رے، بحریہ کے ریئر ایڈمرل جیفورڈ (سب انگریز) پنجاب کا گورنر انگریز سر فرانسس موڈی۔ مشرقی پاکستان کا انگریز گورنر فریڈرک بورن، صوبہ سرحد میں کنگھم اور ڈنڈاس (انگریز اور عیسائی گورنر رہے۔ علامہ کا تو یہ حال ہوا ہے کہ ع

بس خون ٹپک پڑا نگہِ انتظار سے

بالآخر کچھ تبدیلی آئی۔ لیاقت علی خاں کے دور میں مولانا کا کچھ بس چلا تو شیرازہ جمع کیا اور علماء کو ۲۲ نکات پر متفق کیا۔ اس کے کچھ ہی عرصہ بعد ۱۳ دسمبر ۴۹ء کو علامہ صاحب وفات پا گئے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ۔ اگر وہ زندہ رہتے تو قانون اسلامی کے نفاذ کے لیے اس کے سوا وہ اور کیا کرتے کہ قانون کے لیے حنفی کتب کا ترجمہ کرانے اور عدلیہ کو اس پر چلانے کی کوشش کرتے۔ قابلِ عمل شکل ہی یہ ہے بس جوان کا اگلا قدم ہوتا وہ ہم اٹھا رہے ہیں۔ نیز ان ۲۲ نکات میں اور نفاذ فقہ حنفی و فقہ جعفری اور غیر مقلدوں کے لیے ان کے عالم کو ان کا جج مان لینے میں تعارض کیا ہے، بلکہ آپ کا اس اگلے قدم سے روکنا نفاذِ اسلام کو روکنا ہے، بلکہ بالفاظِ دیگر ۲۲ نکات سے انحراف بھی۔ مینارِ پاکستان پر یہ اعلان تو اب ہوا ہے۔ میں تو ذاتی طور پر اس کے لیے ۷۷ء سے کوشاں ہوں۔ حضرۃ مفتی محمود صاحب سے عرض کرتا رہا ہوں۔

میثاق کے اسی پرچہ میں مقبول الرحیم صاحب مفتی نے ڈاکٹر اسرار صاحب کے ۳ اپریل کے جمعہ کے خطاب کے یہ جملے نقل کیے ہیں:

"قرآن وسُنّت سے براہ راست استنباط کرتے ہوئے آج کے مسائل کا حل تلاش کرنا بھی اسی طرح درست ہے جس طرح کسی فقہی مسلک کی فقہ کو نافذ کرنا درست ہے۔"

اگر ڈاکٹر صاحب کے سامنے آج کے حالات میں ایسے حل طلب مسائل ہیں جن کا حل فقہ میں موجود نہیں تو وہ ان کی نشاندہی کریں۔ جا بجا مدارس میں علماء اور مفتی حضرات موجود ہیں۔ ان سے رجوع فرمائیں۔ مجھے بھی بتلائیں اور اگر خدانخواستہ ڈاکٹر صاحب کا مقصد یہ ہے کہ فقہ حنفی کے نفاذ کا نام نہ لیا جائے اور ہر مسئلہ میں چاہے وہ پہلے سے حل شدہ موجود ہو اب بلاوجہ بھی اجتہاد کی اجازت کو عام کیا جائے تو یہ غلط ہے اور ضلالت ہے میں اس کا شدید مخالف ہوں۔ یہ دین کے لیے سمِ قاتل ہے۔ یہ اندازِ فکر اور سوچ برخود غلط لوگوں ہی کی ہو سکتی ہے۔

دار العلوم دیوبند میں مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحبؒ ہی کے حل کردہ ۳۶ ہزار فتوے ہیں۔ یہ دار العلوم کے پہلے مفتی تھے۔ ان کے بعد سے اب تک کی تعداد معلوم نہیں۔ مولانا مفتی محمود صاحب کے حل کردہ مسائل کے تیئس ۲۳ کے قریب رجسٹر قاسم العلوم ملتان میں موجود ہیں۔ ان سب کارناموں پر انگریزی قانون نے پردہ ڈال رکھا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ڈاکٹر صاحب نے جو بات کی ہے وہ اپنے اردگرد لوگوں سے متاثر ہو کر کی ہو گی۔ بہرحال اس سے انہیں رجوع کرنا لازم ہے۔ اگرچہ وہ غیر متشدد غیر مقلد ہیں، مگر میری مذکورہ بالا تشریح پر غور کرنا چاہیئے۔ وَاللّٰہُ یَھْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ

(حضرت مولانا سیّد) حامد میاں غفرلہ (نور اللہ مرقدہ)

۱۵ دسمبر ۱۹۸۶ء

مولای صل وسلم دائما ابدا علی حبیبک خیر الخلق کلهم

درسِ حدیث

استاذ العلماء، شیخ الحدیث حضرت مولانا سید حامد میاں رحمہ اللہ کے زیرِ اہتمام ہر اتوار کو نمازِ مغرب کے بعد جامعہ مدنیہ میں "مجلسِ ذکر" منعقد ہوتی تھی۔ ذکر سے فارغ ہو کر حضرت رحمہ اللہ حدیث شریف کا درس بھی دیا کرتے تھے۔ ذکر و بیان کی یہ مبارک اور رُوح پرور محفل کس قدر جاذب و پُرکشش ہوتی تھی الفاظ اس کی تعبیر سے قاصر ہیں۔

محترم الحاج محمود احمد عارفؒ کی خواہش و فرمائش پر عزیز بھائی شاہد صاحب سلمہٗ نے حضرت شیخ الحدیث قدس سرہٗ کے بہت سے دروس ٹیپ ریکارڈر کے ذریعہ محفوظ کر لیے تھے اور پھر دروس والی تمام کیسٹیں اُنہوں نے مولانا سید محمود میاں صاحب کو عطا کر دیں۔

ہماری دُعا ہے کہ جن کی مہربانی، توجّہ اور سعی سے یہ انمول علمی جواہر ریزے ہمارے ہاتھ لگے، حق تعالیٰ اُن سب کو بیش از بیش اَجر سے نوازے۔ ہم انشاء اللہ تعالیٰ یہ قیمتی لؤلؤ لالہ "انوارِ مدینہ" کے ذریعہ حضرت رحمہ اللہ کے مریدین و احباب تک قسط وار پہنچاتے رہیں گے۔

واضح رہے کہ حضرت کے خلفِ اکبر اور جانشین حضرت مولانا سید رشید میاں صاحب کے زیرِ اہتمام ذکر و درس کا یہ سلسلہ بفضلہ تعالیٰ اَب بھی جاری ہے۔

ہنوز آں ابرِ رحمت در فشاں است خم و خمخانہ با مہرو نشان است

کیسٹ نمبر ۸ سائیڈ بی ۲ اپریل ۱۹۸۲ء

الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ خیر خلقہ سیدنا و مولانا محمدؐ و آلہٖ واصحابہ اجمعین

اما بعد عَنْ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَكْرِمُوْا اَصْحَابِىْ فَاِنَّهُمْ خِيَارُكُمْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ ثُمَّ يَظْهَرُ الْكِذْبُ حَتّٰى اَنَّ الرَّجُلَ لَيَحْلِفُ وَلَا يُسْتَحْلَفُ وَيَشْهَدُ وَلَا يُسْتَشْهَدُ اَلَا مَنْ سَرَّهٗ بُحْبُوْحَةَ الْجَنَّةِ فَلْيَلْزَمِ الْجَمَاعَةَ فَاِنَّ الشَّيْطَانَ مَعَ الْفَذِّ وَهُوَ مِنَ الْاِثْنَيْنِ اَبْعَدُ وَلَا يَخْلُوَنَّ رَجُلٌ بِامْرَاَةٍ فَاِنَّ الشَّيْطَانَ ثَالِثُهُمْ وَمَنْ سَرَّتْهُ حَسَنَتُهٗ وَسَاءَتْهُ سَيِّئَتُهٗ فَهُوَ مُؤْمِنٌ [1]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جنابِ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے صحابہ

---

[1] مشکوٰۃ ص: ۵۵۴

کی تعظیم و تکریم کیا کرو، کیونکہ وہ تمہارے برگزیدہ اور بزرگ ترین لوگ ہیں۔ پھر وہ جو اُن کے قریب ہیں (یعنی تابعین) پھر وہ جو اُن کے قریب ہیں (یعنی تبع تابعین) پھر جھوٹ ظاہر ہو جائے گا یہاں تک کہ ایک شخص قسم کھائے گا، حالانکہ اس سے قسم کھانے کا مطالبہ نہیں ہو گا، اور گواہی دیگا حالانکہ اس سے گواہی دینے کو نہ کہا جائے گا، یاد رکھو جو شخص جنّت کے بالکل درمیان رہنا چاہے تو اُس کو چاہیے کہ جماعت کو لازم پکڑے۔ کیونکہ شیطان اس شخص کا ساتھی بن جاتا ہے جو خود رائے اور جماعت سے علیحدہ اور تنہا ہوتا ہے۔ شیطان تو دو شخصوں سے بھی (جو اجتماعیت و اتحاد کے ساتھ ہوں) دُور بھاگتا ہے اور ہاں کوئی مرد کسی اجنبی (یعنی غیر محرم عورت) کے ساتھ تنہائی میں ہرگز نہ رہے کیونکہ اُن کا تیسرا ساتھی شیطان ہوتا ہے۔ نیز جس شخص کو اس کی نیکی خوشی اور اطمینان بخشے اور اس کی بدی اس کو غمگین و مضطرب کر دے وہ مؤمن ہے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بتلایا کہ جناب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا ہے اَکْرِمُوْا اَصْحَابِیْ میرے صحابہ کا اکرام کرو فَاِنَّھُمْ خِیَارُکُمْ کیونکہ وہ تم میں سب سے بہتر ہیں جو متقدم صحابہ ہیں پہلے آنے والے صحابی ہیں وہ بعد کے آنے والوں سے بہتر ہیں ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَھُمْ ثُمَّ یَلُوْنَھُمْ اس کے بعد درجہ اُن لوگوں کا ہے جو صحابہ کے بعد آئیں گے۔ یعنی جنھیں تابعین کہا جاتا ہے۔ ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَھُمْ اُن کے بعد وہ کہ جنہیں تبع تابعین کہا جاتا ہے۔

تابعین میں امام اعظم رح ہیں کیونکہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کو متعدد بار اُنھوں نے دیکھا ہے تو پہلا درجہ صحابۂ کرام کا، دوسرا درجہ تابعین کا ہے جو اُن کے بعد آتا ہے اور تیسرا درجہ اُن کے بعد تبع تابعین کا ہے ارشاد فرمایا ثُمَّ یَظْھَرُ الْکِذْبُ پھر جھوٹ غالب آجائے گا لوگوں کی طبیعتوں پر، سچّائی کی بجائے جھوٹ کا غلبہ ہونے لگے گا۔ حَتّٰی اَنَّ الرَّجُلَ لَیَحْلِفُ وَلَا یُسْتَحْلَفُ ایک آدمی خود بخود بغیر چاہے قسم کھانے پر تیّار ہو جائے گا۔ بے ضرورت قسم کھانے پر تیّار ہو جائے گا اور بے ضرورت قسم کھانا جبکہ کسی نے کہا بھی نہ ہو کہ کھاؤ جیسے کہ عادت بنالے کوئی آدمی، بہت قسمیں کھاتے، وہ پھر غلط ہو جائے گا۔ اس میں غلط باتوں پر قسمیں ہو جاتی ہیں۔ تو خُدا کے نام کا غلط استعمال ہو اور وہ بھی خُدا کے نام پر قسم کی شکل میں غلط استعمال ہو یہ تو بہت بُری بات ہے۔

وَيَشْهَدُ وَلَا يُسْتَشْهَدُ خود بخود گواہی دینے پر تیار رہے گا آدمی، بغیر گواہی مانگے مطلب یہ ہے کہ جھوٹے گواہ ہوجائیں گے۔ سچے گواہوں کے بارے میں جو یہ حکم ہے کہ لَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ جو تمہیں معلوم ہے وہ نہ چھپاؤ۔ اُن کے تو ذمے ہے گواہی دینا اور جھوٹے گواہ جو ہوتے ہیں وہ خود تیار ہوتے ہیں گواہی پر، بے کہے تیار ہوتے ہیں پیسے لیتے ہیں گواہی پر۔

حدیث شریف میں ارشاد فرمایا گیا۔ یہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات ہی میں ہے۔ اَلَا مَنْ سَرَّهُ بُحْبُوحَةَ الْجَنَّةِ فَلْيَلْزَمِ الْجَمَاعَةَ جس آدمی کو یہ پسند ہو کہ وہ جنّت کے اعلیٰ حصّے میں جائے وسط حصّے میں جائے تو اُسے چاہیے کہ وہ جماعت کی پابندی کرے۔ جماعت کے ساتھ رہے فَإِنَّ الشَّيْطَانَ مَعَ الْفَذِّ کیونکہ اِکّا دکّا جو لوگ ہوتے ہیں اُن کے ساتھ شیطان لگ جاتا ہے۔

تو ایسے ہی حال ہے کہ صحابہ کرام کی جماعت سے لے کر آج تک جو عقائد اور اعمال چلے آرہے ہیں ان پر قائم رہنا تو بہت ہی ضروری ہے اور جو اِکّا دُکّا کسی نے مسئلہ نکال لیا ہے۔ اُن کو کہا جاتا ہے تَفَرُّدَاتْ اور وہ سب سے ہوتے پہلے سے بھی ہوتے آئے ہیں۔ ان کو تَفَرُّدَاتْ کہہ کر چھوڑ دیتے ہیں کہ یہ اُن کی اپنی رائے ہیں۔ اُنھیں کسی نے لیا نہیں، یہ چلے نہیں ہیں آگے۔ اسے لوگوں نے پسند نہیں کیا ہے تو وہ نہیں کیا۔ ان کی رائے اپنی جگہ ان کا اکرام اپنی جگہ باقی چیزیں جو لکھی ہیں۔ وہ سب آنی جانی ہیں کہیں کہیں جیسے ان کے تَفَرُّدَاتْ اکیلے ہو گئے وہ کسی بات میں وہ نہیں لیا۔

تو جماعت یعنی جماعتِ صحابہ کے ساتھ رہنا اور اُن کے مسلک پر قائم رہنا یہ سب سے زیادہ ضروری ہے اگر ان سے ہٹے گا، الگ ہوگا تو فَذّ ہوگیا الگ الگ ٹکڑے جیسے بن جاتے ہیں اُن کے ساتھ شیطان ہوگا۔

وَهُوَ مِنَ الْاِثْنَيْنِ اَبْعَدُ

اور دو جہاں ہوں وہاں شیطان زیادہ دُور ہوجاتا ہے اور جہاں پُوری جماعت ہو۔ وہاں شیطان نہیں ہوتا۔

اور ارشاد فرمایا کہ کوئی آدمی کسی عورت کے ساتھ اجنبی عورت کے ساتھ تنہا نہ رہے۔

اور ارشاد فرمایا مَنْ سَرَّتْهُ حَسَنَتُهُ وَسَاءَتْهُ سَيِّئَتُهُ فَهُوَ مُؤْمِنٌ۔ کوئی آدمی یہ دیکھنا چاہے کہ مجھ میں ایمان کتنا ہے اپنے ایمان کو آزمانا چاہے تو پھر یہ دیکھ لے کہ اسے نیکی کرکے خوشی ہوتی ہے یا نہیں ہوتی اور بُرائی کرکے تکلیف پہنچتی ہے یا نہیں پہنچتی۔

(باقی صـ۴۱ پر)

قسط :۴۳

مقاصدِ بعثت فرائضِ نبوّت اور تکمیل

دُعا اور قبولیّتِ دعا

حضرۃ شیخ الحدیث مولانا سید محمّد میاں رحمہ اللہ کی تصنیف لطیف سیرۃ مبارکہ محمّد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" کے چند اوراق

قرآنِ حکیم میں تغییر خلق اللّٰہ ۔ یعنی اللہ کی بنائی ہوئی صورت میں تبدیلی پیدا کرنے کو شیطانی فعل فرمایا گیا ہے[1] مگر تغییر خلق اللہ کا لفظ عام ہے ۔ جس طرح مردوں کا خصی کرنا تغییر خلق اللہ اور حرام ہے ۔ ختنہ کرنا بھی تغیر خلق اللہ ہے ۔ علیٰ ہذا بدن کے کسی حصّہ کے بال منڈوانا یا کٹوانا یا اکھاڑنا ، ناخن تراشنا یا گدھوانا یا عورتوں کے سر کے بال مصنوعی طور پر بڑھانا یا چہرے کے بال نوچنا ، دانتوں میں مصنوعی طور پر کشادگی پیدا کرنا ، ان باتوں میں خدا کی بنائی ہوئی صورت میں تبدیلی ہوتی ہے ۔ پس جس کو اللہ تعالیٰ نے تعلیم الکتاب کے لیے مبعوث فرمایا تھا اس نے ان تمام کی تفصیل فرمائی ۔ بعض تغییرات کو مستثنیٰ فرمایا ۔ مثلاً ارشاد فرمایا :

الفطرۃ خمسٌ ۔ الختان والاستحداد ۔ قص الشارب وتقلیم الاظفار و نتف الابط[2]

یعنی یہ پانچ چیزیں (اگرچہ ان میں تغییر خلق اللہ ہے ، مگر یہ تغییر بتقاضائے فطرت ہے ۔ یہ تغییر حرام نہیں ہے ، بلکہ فطرت ہے ۔ ختنہ کرانا ، موئے زیرِ ناف کو صاف کرنا ، مونچھیں کٹوانا ، ناخون کتروانا ، بغل کے بال اکھیڑنا ۔

---

[1] سورۃ نمبر ۴ نساء آیت : ۱۱۹ [2] بخاری شریف صہ ۸۷۵

اس کے مقابل دوسرا ارشاد یہ ہوا :

خالفوا المشرکین - وَفِّروا اللحی و عفوا الشوادب[1]

مشرکین کے خلاف یہ طریقہ اختیار کرو کہ ڈاڑھیں بڑھاؤ اور مونچھوں کو خوب باریک کترواؤ۔

عورتوں کے متعلق ارشاد ہوا :

لعن اللّٰہ الواشمات والمتوشمات والمتنمصات والمتفلجات للحسن المغیرات خلق اللّٰہ[2]

ترجمہ : ان عورتوں پر خدا کی لعنت جو گودتی ہیں جو گدواتی ہیں جو بال نوچتی ہیں۔ جو خوبصورتی پیدا کرنے کے لیے دانتوں میں کشادگی کراتی ہیں، جو خدا کی بنائی ہوئی صورت کو بدلتی ہیں۔

خلاصہ یہ کہ تغییرِ خلق اللہ کی تفسیر و تشریح کہ بعض کو جائز اور مستحسن قرار دیا اور بعض کو ممنوع اور حرام۔ یہ فریضۂ نبوت تھا۔ جس کو آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلم نے انجام دیا۔

(۲) ارشادِ ربانی ہے : اَحَلَّ اللّٰہُ الْبَیْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا۔ سورۃ نمبر ۲ آیت نمبر ۲۷۳

اللہ تعالیٰ نے خرید و فروخت (تبادلہ) کو حلال قرار دیا اور ربٰوا (ایسی زیادتی جو بدل سے زیادہ ہو) کو حرام قرار دیا۔

اب قرض کی صورت میں اگر پانچ روپیہ کے بجائے چھ روپیہ وصول کیے جاتے ہیں تو ظاہر ہے یہ ایک روپیہ بدل سے زائد ہے۔ ربٰوا یعنی سود ہے، لیکن اگر ایک تولہ چاندی کو دو تولہ چاندی یا ایک سیر گیہوں کو دو دو سیر گیہوں کے بدلہ میں فروخت کیا جائے تو کیا یہ بیع جائز ہوگی۔ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اس کو بھی حرام فرمایا اور نہ صرف چاندی اور گیہوں، بلکہ اس طرح کی اور چیزوں کے متعلق بھی نہایت سختی کے ساتھ ہدایت فرمائی

---

[1] بخاری شریف ص : ۸۷۵ [2] بخاری شریف ص : ۸۷۹

[3] حدیث ایسی چھ چیزیں شمار کی گئی ہیں جن کا تبادلہ اگر ہم جنس سے ہو تو زیادتی اور ادھار حرام ہے۔ تبادلہ برابر سرابر اور ہاتھ در ہاتھ ہونا چاہیئے چاندی[1]، سونا[2]، گیہوں[3]، جو[4]، کھجور[5] اور نمک[6]۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ علیہ اس سے یہ اصول اخذ کیا کہ ایسی تمام چیزیں جو وزن کر کے یا صاع یا ٹل جیسے پیمانہ سے ناپ کر بیچی جائیں۔ اگر ان کا تبادلہ ہم جنس سے کیا جائے تو ان میں مساوات اور ہاتھ در ہاتھ ہونا ضروری ہے۔ لہٰذا چاول، جوار، مکئی وغیرہ کا تبادلہ اگر ہم جنس

کہ اگر ہم جنس سے تبادلہ ہے مثلاً سونے کی بیع سونے کی کسی چیز سے ہو رہی ہے تو اس میں بھی مساوات اور نقد ہونا ضروری ہے۔ نہ کم و بیش جائز ہے نہ ادھار۔

ان دو مثالوں میں سے ایک کا تعلق خرید و فروخت سے ہے دوسرے کا تعلق آرائشِ بدن سے۔ ان کے علاوہ ہزاروں مسائل ہیں جن کا تعلق عبادات، معاملات، معاشرت، اقتصاد امور خانہ داری، آدابِ مجلس یا ملکی سیاست یا بین الاقوامی تعلقات سے ہے۔ قرآنِ حکیم نے ان کے متعلق اصول کی تعلیم دی ہے اور کہیں صرف اشارہ کر دیا ہے۔ ارشادات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو کتب حدیث کے ہزاروں صفحات میں محفوظ ہیں، ان کی توضیح اور تشریح کرتے ہیں۔ پھر حضرات ائمہ مجتہدین نے ان سے اصول اخذ کر کے پیش آنے والے معاملات کو ان اصول کے معیار پر جانچ کر احکام مرتب کیے جو کتب فقہ میں منضبط ہیں۔

ارشادات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق حضرتِ حق جلّ مجدہٗ نے فرمادی کہ ارشاد ہوا:

مَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى - اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى (سورۃ نمبر ۵۳ النجم آیت ۳، ۴)

اپنی چاہ اور اپنے نفس کی خواہش پر آپ کچھ نہیں کہتے۔ آپ جو کچھ فرماتے ہیں وہ وحی ہوتی ہے جو آپ پر نازل کی جاتی ہے۔

نیز حضرت حق جلّ مجدہٗ کا ارشاد ہے:

مَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا (سورۃ نمبر ۵۹ حشر آیت)

جو کچھ تمہارے سامنے پیش کریں رسول اس کو لے لو اور جس سے منع کریں اس سے رک جاؤ۔

آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کا حاکمِ اعلیٰ بنا کر بھیجا تو آپ نے

← سے کیا جائے۔ مثلاً چاول کی بیع چاول سے کی جائے تو مساوات اور ہاتھ در ہاتھ ہونا ضروری ہے نہ اضافہ جائز ہے نہ ادھار، کیونکہ یہاں جنس کا بھی ——— اتحاد ہے اور قدر بھی متحد ہے کہ دونوں وزنی ہیں وزن کر کے بیچی جاتی ہیں۔

لہ پانچ سیر گیہوں کی قیمت ایک روپیہ بھی لگا سکتے ہیں اور ایک ہزار روپیہ بھی۔ یہ بائع اور مشتری کی باہمی رضامندی پر ہے کہ وہ پانچ سیر گیہوں کو ایک روپیہ کی برابر قرار دیں یا ایک ہزار کی برابر، لیکن ہم جنس میں یعنی گیہوں کی بیع گیہوں سے ہو تو وہاں پانچ سیر گندم کو دس سیر گندم کے برابر قرار دینا غلط ہوگا۔ البتہ جو جنس ایسی ہے کہ وہ کیل یا وزن کر کے نہیں بیچی جاتی گز وں سے ناپ کر یا مثلاً شمار کر کے بیچی جاتی ہے جیسے کپڑا وہاں امام ابوحنیفہؒ کے مسلک کے مطابق یہ جائز ہے کہ ایک گز کپڑے کو ایک ہزار گز کپڑے کے عوض میں بیچا جائے، مگر نقد۔

دریافت فرمایا :

کوئی مقدمہ آپ کے سامنے آئے گا تو آپ کس طرح فیصلہ کریں گے۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کتاب اللہ کے مطابق اور اگر کتاب اللہ میں اس معاملہ کے متعلق کوئی صراحت نہیں ہوگی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت کے بموجب اور اگر سنّت رسول اللہ یعنی آپ کے جو ارشادات یا واقعات میرے علم میں ہیں ان میں اس کی کوئی نظر نہیں ہوگی تو اپنے اجتہاد سے کام لوں گا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے سینہ پر دستِ مبارک رکھ کر فرمایا الحمد للہ وفّق رسولَ رسولِ اللہ لما یرضیٰ بہ رسول اللہ۔

(الحمد للہ اللہ تعالیٰ نے رسول کے رسول (فرستادہ) کو اس کی توفیق فرمائی جس کو اللہ کا رسول پسند کرتا ہے)

اس ارشادِ گرامی نے حضرات مجتہدین کے اجتہاد کی تصویب اور تائید فرمادی۔

تعلیم الحکمۃ

یُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ

سکھاتے ہیں ان کو (علماءِ اُمّت کو) کتاب اور حکمت[1] یعنی کتاب اللہ کی تعلیم کے ساتھ آپ ایسے اصولوں کی تعلیم بھی دیتے ہیں جن پر قانونی عدل

---

[1] قرآنِ حکیم میں یہ الفاظ تین جگہ آئے ہیں۔ سورۂ بقرہ، سورۂ آلِ عمران اور سورۂ جمعہ۔ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ نے حکمت کا ترجمہ سورۂ بقرہ اور آلِ عمران میں علم کیا ہے اور سورۂ جمعہ میں دانش۔ شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ نے (علی الترتیب) تین ترجمے کیے ہیں پکی باتیں، کام کی بات، عقل مندی، مگر ظاہر ہے یہ سب ترجمے تشریح طلب ہیں۔ احقر نے اپنے الفاظ میں ان کی تشریح کردی ہے۔ جہاں تک حضراتِ مفسرین کا تعلق ہے تو ان کے ارشادات یہ ہیں : ما یکمل نفوسھم من المعارف والاحکام وقیل ھی السنۃ وقیل ھی القضاء وقیل الفقہ ص۱۳۱ تفسیر مظہری ج ۱۔ الحکمۃ العلوم الحقۃ المستحکمۃ التی یستفیدھا الحکیم من الحکیم بلا توسط کتاب ولا بیان تفسیر مظہری ص۱۳۶ ج۲ الحکمۃ الشریعۃ المحکمۃ المطابقۃ بشرائع الانبیاء فی الاصول المشھود علیھا بالکتب السماویۃ بالقبول۔ ایضاً تفسیر مظہری ص۲۷۵ ج۹ اصابۃ الحق بالعلم والعقل قضیۃ صادقۃ (المفردات فی غریب القرآن)

اور دستور و آئین کی حسین اور شاندار عمارت سر بفلک کی جاسکے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خطبات ملاحظہ فرمایئے۔ وہ ایسے ہی اصول کا مجموعہ ہیں۔ یہاں خطبات کے علاوہ چند حدیثوں کا ترجمہ پیش کیا جا رہا ہے۔

ارشاد ہوا ـــــ حلال بھی واضح ہے، حرام بھی واضح ہے، لیکن دونوں کے درمیان کچھ ایسے امور ہیں جن میں کچھ مشابہت حلال کی ہے، کچھ مشابہت حرام کی۔ پس جس نے ایسے مشتبہ اُمور سے تقوی اختیار کیا اور احتیاط برتی اس نے اپنے دین کو بھی اعتراض سے بری کر لیا۔ اور اپنی آبرو بھی بچالی اور جو ان مشتبہ اُمور میں پڑ گیا اس کی مثال اس چرواہے کی ہے جو اپنے مویشی سرکار کی محفوظ چراگاہ کے پاس چرا رہا ہے۔ قریب ہے کہ وہ مویشی کو اس چراگاہ میں اتار دے۔

یاد رکھو ہر ایک سرکار کی چراگاہ ہوتی ہے۔ یاد رکھو (احکم الحاکمین) اللہ تعالیٰ کی چراگاہ حرام امور ہیں۔ یاد رکھو بدن میں گوشت کا ایک ٹکڑا ہے، وہ ٹھیک رہتا ہے تو بدن ٹھیک رہتا ہے۔ وہ بگڑ جائے تو بدن بگڑ جاتا ہے۔ یاد رکھو یہ گوشت کا ٹکڑا وہ ہے جس کو "دل" کہا جاتا ہے۔

اس ارشادِ گرامی نے بہت سے اصول کی تعلیم دے دی۔ مثلاً یہ کہ ایسے[2] تمام امور جن کے جواز اور عدم جواز میں کلام ہو۔ تقویٰ یہ ہے کہ ان کو نہ کیا جائے۔ اصطلاح فقہ میں ایسے اُمور کو مکروہ کہا جاتا ہے جو درجہ بدرجہ تنزیہی، تحریمی۔ پھر تحریمی قریب بحرام ہوتا ہے۔

یا مثلاً یہ کہ عقائد و خیالات کی اصلاح سب سے مقدم ہے۔ عقائد خراب ہوتے ہیں تو دل کے جذبات بھی خراب ہوتے ہیں جو عمل کو خراب کر دیتے ہیں۔

(۲) اسی حدیث میں یہ اضافہ بھی ہے۔

بس جو شخص مشتبہ کام کو چھوڑ دے وہ غیر مشتبہ حرام کو بدرجۂ اولیٰ چھوڑ دے گا اور مجرمانہ جرأت کر کے مشتبہ کام کرنے لگے تو وہ عنقریب حرام میں بھی مبتلا ہو جائے گا۔

(۳) حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے۔ ہم بھی مجلسِ مبارک میں حاضر تھے۔ ارشاد ہوا۔

---

[1] بخاری شریف ص۱۳ [2] اس اصول کو سامنے رکھ کر فاتحہ، سوئم، چہارم، چہلم، برسی، شب برأت، بی بی فاطمہ کی صمنک و محفلِ میلاد قیام وغیرہ پر نظر ڈالیے۔ [3] بخاری شریف ص۳۷۵ [4] بخاری شریف ص۱۹۸

اپنے بعد مجھے تمہارے متعلق جس بات کا خطرہ ہے وہ دنیا کی وہ رونق و زینت ہے جو پوری زیبائش کے ساتھ تمہارے سامنے آئے گی۔

ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا خیر بھی شر کو لا سکتا ہے (یعنی جب یہ رونق و زینت حلال اور جائز راستہ سے آئے گی تو پھر اس سے خطرہ کیوں ہے۔) راوی بیان کرتے ہیں کہ اس سوال پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خاص توجہ فرمائی۔ آپ خاموش ہو گئے اور دیر تک خاموش رہے۔ ہمیں خیال ہوا کہ شاید وحی نازل ہو رہی ہے۔ اس کے بعد آپ نے پسینہ پونچھا اور دریافت فرمایا کہ سائل کہاں ہے۔ گویا اس سوال کو آپ نے معقول قرار دیا۔ پھر فرمایا بیشک خیر شر کو نہیں لاتا (بشرطیکہ خیر کے تقاضوں کو پورا کرتے رہو یعنی دولت کی بنا پر جو حقوق ہوتے ہیں ان کو ادا کرتے رہو) پھر آپ نے مثال دیتے ہوئے فرمایا، دیکھو موسم بہار میں جو سبزہ پیدا ہوتا ہے اگر جانور اس کو کھائے چلا جائے تو وہ سبزہ (جو نہایت عمدہ ہے اور سراسر خیر ہے) جانور کو مار ڈالتا ہے یا نیم جان کر دیتا ہے۔ ہاں وہ جانور جو سبزہ کو کھا کر ساتھ ساتھ ہضم بھی کرتا رہے اور سبزہ سے شکم سیر ہونے کے تقاضے کو پورا کرتا رہے۔ مثلاً یہ کہ یہی مویشی جب سبزہ سے شکم سیر ہو جائے اور اس کی کوکھیں تن جائیں تو گھومے پھرے۔ دھوپ میں بیٹھے، پھر فضلہ خارج کرے (اس کے بعد کھائے تو مفید ہوگا) پھر ارشاد ہوا کہ دیکھو یہ مال ہرا بھرا اور شیریں ہے۔ پس وہ اُس مسلمان کا بہت اچھا دوست ہے جو مسکینوں، یتیموں، مسافروں اور ضرورت مندوں کو فراموش نہ کرے، ان کو بھی آسودہ کرتا رہے اور دیکھو جو شخص بلا استحقاق کے مال لیتا ہے (مثلاً سوال کر کے) تو اس کی مثال ایسی ہے کھاتا رہتا ہے پیٹ نہیں بھرتا۔

تزکیہ

يُزَكِّيهِمْ	اُن کو مانجھتا ہے۔	(مولانا ابوالکلام آزادؒ)
	اُن کو سنوارتا ہے۔	(حضرت شاہ عبدالقادرؒ)

ظاہر ہے دوسرا ترجمہ زیادہ[1] حاوی، جامع اور واقعہ اور حقیقتِ حال کے زیادہ مطابق ہے کیونکہ آنحضرت

---

[1] لغت سے بھی قریب تر یہی ترجمہ ہے یعنی سنوارتا ہے، کیونکہ لفظ زکوٰۃ کے معنی صرف پاک کرنا نہیں ہے، بلکہ خوشگوار اور تر و تازہ بنانے کے ہیں۔ زکی الرجل صلح و تنعم فهو ذکی (قاموس) والزکوٰۃ لغة الطهارة۔ والنماء۔ والبرکة المدح

صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اہلِ ایمان کو صرف مانجھا ہی نہیں بلکہ اُن کو آراستہ بھی کیا ہے اُن کو حسین اور جمیل بھی بنایا ہے۔ یعنی مانجھنے کے بعد سنوارا[1] بھی ہے جس طرح یہ عمل بہت مشکل ہے کیونکہ یہ ایک کیمیا ہے اور کیمیا بھی وہ جو کانسی یا پیتل کو نہیں بلکہ زیر پا گرد و خس و خاشاک کو سونا بناتا ہے اسی طرح اس کی وسعت بھی اتنی زیادہ ہے کہ ہزاروں صفحات کے دامن بھی اس کو نہیں سمیٹ سکتے۔ کیونکہ انسانی زندگی کا کوئی شعبہ بھی ایسا نہیں ہے جس کو سنوارنے کی ضرورت نہ ہو اور جو حسین و جمیل بننے کی صلاحیت نہ رکھتا ہو۔

فرد میں بھی خرابی ہوتی ہے۔ جماعت میں بھی۔ ظاہر میں بھی، باطن میں بھی، مرد میں بھی اور عورت میں بھی۔ پھر اندرون خانہ، بیرون خانہ، حلقہ درس و تلقین۔ محفل طرب و نشاط۔ بزم شعر و سخن، انجمن خورد و نوش، بازار، تجارتی کاروبار، بارگاہ عدل و انصاف یا ایوانِ سیاست اجتماعی مطالبات اور اُن سے متعلق خواص کے نظریات عوام کے جذبات، طرح طرح کی تحریکات سیاسی چالیں، شاطرانہ حرکتیں میدان جنگ، جشن فتح یا صلح کانفرنس وغیرہ۔ قدرتی بات ہے کہ ان میں خرابیاں بھی ہوتی ہیں اور خوبیاں بھی۔ خرابیوں کو دُور کر کے خوبیاں پیدا کرنا خرابیوں کے عوامل اور محرکات کو پہچان کر دلوں کو اُن سے پاک کرنا اور ان کے برخلاف خدا پرستی، صداقت ہمدردی، اخلاص اور اُن کے جذبات کو دلوں کے نہاں خانوں میں جلوہ گر کرنا۔ ان سب کا نام تزکیہ ہے۔

ان تمام وسعتوں کے ساتھ تزکیہ کو فرائض نبوّت میں شمار کرایا گیا۔ یہ بھی ظاہر کر دیا گیا کہ خاتم الانبیاء والمرسلین صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اس فریضہ کو حُسن و خوبی اور کامیابی کے ساتھ انجام دیا مگر کس طرح انجام دیا اور آئندہ کے لیے کیا کیا۔ ہدایتیں فرمائیں۔

← (مجمع البحار) الزکوٰۃ النمو الحاصل من برکۃ اللہ تعالیٰ (الیٰ ان قال) وبزکاۃ النفس وطہارتھا یصیر الانسان بحیث یستحق فی الدنیا الاوصافَ المحمودۃَ وفی الاخرۃ الاجرَ المثوبۃَ (المفردات فی غریب القرآن)

[1] مثلاً صرف مرض بخل رفع نہیں کیا بلکہ سیر چشمی، وسعت نظر اور جذبات ہمدردی خلق خدا سے ان کو آراستہ بھی کیا۔ (محمد میاں)

[2] ملاحظہ فرمائیے آیت ۱۶۴ سورۂ آل عمران و آیت ۲ سورۂ جمعہ جو قبولیت دُعا کے سلسلہ میں صفحہ ۳۶۰ پر گزری اور اس سے بڑھ کر کامیابی کیا ہو سکتی ہے کہ حضرات صحابہ کو کتاب اللہ نے الراشدون کی سند عطا فرما دی اور اُنھیں کو رشد و ھدیٰ کا معیار قرار دیا۔ اولئک ھم الراشدون فضلا من اللہ و نعمۃ۔ (سورہ حجرات)

ان کی تفصیلات کے لیے آپ حدیث تفسیر، فقہ، سیر و مغازی تہذیب اخلاق، تصوف و احسان کی کتابیں ملاحظہ فرمائیں۔ اس مختصر مجموعہ میں اُن کا مختصر بیان بھی ممکن نہیں ہے۔ یہاں صرف یہ ظاہر کرنا ہے کہ ان تمام فرائض میں جو پہلے بیان کیے گئے (تلاوت آیات اللہ، تعلیم الکتاب تعلیم الحکمہ) تزکیہ کو بُنیادی اہمیت حاصل ہے۔ گویا نصب العین تزکیہ ہی ہے اور تمام امور اس کے مقدمات اور ابتدائی مراحل ہیں۔

تزکیہ کو یہ اہمیّت حاصل ہے کہ نہ صرف عبادات و اخلاق اور احسان و سلوک کی بنیاد تزکیہ پر ہے بلکہ اسلام نے معاشرت۔ معیشت، سیاسی نظام اور اس کے لیے مالی نظام انتہا یہ کہ جنگ اور صلح کی بنیاد بھی تزکیہ پر ہی رکھی ہے۔ مقاتلہ و مبارزہ۔ دُشمن کو تباہ کرنا۔ اس کے ملک کو برباد کرنا۔ "جہاد فی سبیل اللہ" اسی وقت ہوگا جبکہ لڑنے والے وہ ہوں جو اپنا تزکیہ کر چکے ہوں۔ تزکیہ کے بغیر یہ قتل و قتال فساد فی الارض ہے۔ یہی تزکیہ ہے جو زندگی کے ہر ایک شعبہ میں کارفرما ہے۔ مثلاً

① معاشرت اور سماجی زندگی میں سب سے پہلی چیز نکاح اور ازدواج ہے۔ وحی الٰہی کی ہدایت ہے۔

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ بِمَا يَصْنَعُوْنَ۔ (سورۃ ۲۴ نور آیت ۳۰)

کہہ دیجیے مُسلمانوں سے نیچی رکھیں اپنی نگاہیں اور حفاظت کرتے رہیں اپنی شرم گاہوں کی۔ یہ اُن کے لیے زیادہ تزکیہ (صفائی اور پاکی) کی بات ہے۔ بیشک اللہ تعالیٰ کو سب خبر ہے جو کچھ لوگ کیا کرتے ہیں۔

اسی تزکیہ کو سامنے رکھ کر آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا۔

یا معشرَ الشباب من استطاع منکم الباءۃَ فلیتزوج فانہ اغض للبصر واحصن للفرج ومن لم یستطع فعلیہ بالصوم فانہ لہ وِجاءٌ[1]

نوجوانو! جو ازدواجی زندگی کی ضروریات پُورا کرنے کی استطاعت اور گنجائش رکھے، وہ ازدواجی زندگی اختیار[2] کرے۔ کیونکہ اس سے نگاہ پُوری طرح نیچی ہوتی ہے اور فرج کی پُوری

---

[1] بخاری شریف ص: ۷۵۸

[2] اسلام تجرد کو پسند نہیں کرتا۔ تجرد رہبانیت ہے اور سادھوپنا ہے۔ جو نصب العین نہیں بن سکتا۔ کیونکہ زندگی ←

حفاظت ہوتی ہے اور جس میں یہ گنجائش نہ ہو اس کے لیے لازم ہے کہ وہ روزے رکھے جو شہوانی رجحانات کو مفلوج اور مضمحل کر دیتے ہیں۔

ایک دوسرے کے مکان میں جانے کے لیے وحیِ الٰہی نے استیذان کو ضروری قرار دیا کہ پہلے اجازت حاصل کرو۔ استیذان کے ساتھ سلام بھی کرو۔ پھر ارشاد ہوا۔

وَاِنْ قِيْلَ لَكُمُ ارْجِعُوْا ۔ فَارْجِعُوْا هُوَ اَزْكٰى لَكُمْ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ۔ سورۃ ۲۴ نور آیت ۲۸

اور اگر تم سے کہا جائے کہ واپس ہو جاؤ تو واپس ہو جایا کرو۔ یہی تمہارے لیے صفائی اور ستھرائی (تزکیہ) کی بات ہے اور جو تم کرتے ہو۔ اللہ تعالیٰ اس کو خوب جانتا ہے۔[1]

(۲) معیشت اور کاروبار کے سلسلہ میں تجارت کو بنیادی حیثیت حاصل ہے، لیکن تاجر کے لیے ضروری ہے الصدوق الامین (پوری طرح سچا معاملہ کرنے والا امانت دار) ہو[2] خیانت اور غلط بیانی وغیرہ سے تزکیہ کر چکا ہو۔

← کی دل چسپیوں کو ختم کر دیا جائے تو ترقیات کی طرف بڑھنے والے قدم بوجھل ہو جائیں۔ دنیا اپنی رونق کھو بیٹھے، اور اور معاشرۂ انسانی کی چہل پہل ختم ہو جائے۔ اسلام ارتقاء اور تعمیر کا حامی ہے وہ کسی گوشہ میں بھی تخریب کو پسند نہیں کرتا صرف اس تخریب کو جائز قرار دیتا ہے جو تعمیر کے لیے ہو۔

[1] شروع سے پوری آیت کا ترجمہ یہ ہے۔ اے ایمان والو۔ مت جایا کرو۔ گھروں میں اپنے گھروں کے سوا جب تک ان سے اجازت نہ لے لو اور (اجازت لینے سے پہلے) ان کے رہنے والوں کو سلام نہ کر لو۔ (مثلاً یہ کہو السلام علیکم کیا میں حاضر ہو سکتا ہوں) یہی تمہارے لیے بہتر ہے توقع ہے کہ تم اس کا پورا خیال رکھو گے۔ پھر اگر ان گھروں میں تم کو کوئی آدمی معلوم نہ ہو تب بھی ان گھروں میں نہ جاؤ جب تک تم کو اجازت نہ دے دی جائے اور اگر تم سے کہا جائے کہ واپس ہو جاؤ تو واپس ہو جاؤ یہی تمہارے لیے صفائی ستھرائی کی بات ہے۔

[2] ایسے تاجر کا حشر انبیاء علیہم السلام اور صدیقین اور شہداء امت کے ساتھ ہوگا (ترمذی و ابن ماجہ وغیرہ) اس کے برخلاف جو تاجر خیانت کرے (اچھا نمونہ دکھا کر برا مال دے یا ملاوٹ کرے وغیرہ) اس کے متعلق ارشاد ہوا کہ اس کو مسلمان کہنا درست نہیں (من غش فلیس منا (ترمذی شریف ص: ۱۵) چور بازاری کرنے والا ملعون ہے۔ المحتکر ملعون (ابن ماجہ وغیرہ)

ہر طرح کے کاروبار کے سلسلہ میں ارشاد ہُوا۔ اللہ تعالیٰ طیّب (پاک صاف ستھرا) ہے وہ پاکی اور ستھرائی کو پسند کرتا ہے ——— اور پاک اور ستھری چیز ہی قبول کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مُسلمانوں کو بھی ان باتوں کا حکم فرمایا حکم جن کا انبیاء علیہم السّلام کو فرمایا تھا۔ انبیاء علیہم السّلام کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا یا یھا الرّسل کلوا من الطیّبات واعملوا صالحا (اے گروہ پیغمبران۔ پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور نیک عمل کرو (اسی طرح مُسلمانوں کو خطاب فرمایا) یا یّھا الذین اٰمنو کلوا من طیبات ما رزقناکم (اے ایمان والو۔ کھاؤ وہ پاکیزہ چیزیں جو ہم نے تم کو دی ہیں) اس کے بعد آں حضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اس شخص کا ذکر کیا جو لمبا سفر کرتا ہے۔ پراگندہ سر۔ گرد سے اٹا ہُوا اپنے ہاتھ آسمان کی طرف پھیلا کر دُعا کرتا ہے۔ یا رب یا رب اور حالت یہ ہے کہ اس کی خوراک حرام اس کا پانی حرام (ناجائز طریقہ سے حاصل کیا ہوا) اس کا لباس حرام۔ حرام غذا سے اس کا نشوونما ہُوا۔ ایسے شخص کی دُعا کیا قبول ہو سکتی ہے ؟

(ترمذی شریف تفسیر سورۃ البقرۃ ص ۱۲۳، ج ۲)

حرص، طمع، خودغرضی، بخل، نفع اندوزی، ناپاک خصلتیں ہیں جن سے تزکیہ ضروری ہے۔ یہی خصلتیں ربوا اور سود کی علّت پیدا کرتی ہیں۔ لہٰذا نہ صرف سود حرام ہے بلکہ ہر ایسا کاروبار اور ہر ایسا معاملہ حرام۔ جس میں سُود کا شُبہہ ہو۔

سیاسی نظام میں چوٹی کا فرد یعنی سربراہ وہ ہونا چاہیے جو سب سے زیادہ متقی ہو۔ یعنی تزکیۂ نفس میں سب سے بڑھا ہُوا ہو۔

ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم (سورۂ حجرات)

اللہ کے یہاں سب سے زیادہ مستحق احترام وہ ہے جو سب سے زیادہ خدا ترس اور پرہیزگار ہو۔

حکومت کیا ہے؟ اسلام نے نماز اور روزہ کی طرح۔ حفاظتِ جان و مال۔ عصمت اور آبرو کی حفاظت، تعلیم و تربیت۔ امر بالمعروف، نہی عن المنکر۔ یعنی اچھی باتیں بتانا ان پر عمل کرانا۔ بُری باتوں سے خود رُکنا اور دوسروں کو روکنا۔ عدل و انصاف غریبوں کی پرورش۔ کمزوروں کی مدد، مظلوموں کی فریاد رسی۔ بیماروں کی تیمارداری ملک اور قوم کی حفاظت وغیرہ کو بھی افراد کے فرائض قرار دیا ہے۔ یعنی ہر ایک مسلمان کا خود اپنا فرض ہے کہ اپنی پوری طاقت و استطاعت ان فرائض کو انجام دینے میں صرف کرے ورنہ وہ عند اللہ جواب دہ ہوگا ——— لیکن جب تک باہمی تعاون نہ ہو

بہت[1] سے فرائض ایسے ہیں جو انجام نہیں پا سکتے۔ اسی باہمی تعاون کے وسیع نظام کا نام نظامِ[2] حکومت ہے اس کے سربراہ کو خلیفۃ المسلمین کہا جاتا ہے یعنی تمام مسلمانوں کا نائب اور ان کا قائم مقام۔

مالی نظام

سیرۃ مبارکہ کا دامن اس جبر و قہر سے پاک ہے جو ٹیکسوں کے وصول کرنے کے لیے عمل میں لایا جاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ نظامِ حکومت کی مالی ضرورتوں کے پورا کرنے کے لیے جو مالیہ وصول کیا جائے، اسلام نے اس کی بنیاد بھی تزکیہ پر رکھی ہے۔

خودغرضی۔ حرص و طمع، حبِّ مال اور بخل وہ ناپاک خصلتیں ہیں جن سے نفسِ مومن کا پاک ہونا ضروری ہے۔ یہ نفس کی خباثت ہے کہ دولت و ثروت کی محبت قومی اور ملّی ضرورتوں سے اس کی آنکھ بند کر دے۔

جس طرح نماز روزہ فرض ہے ایسے ہی جہاد بھی فرض ہے جو مال سے بھی ہوتا ہے اور جان سے بھی جو اسلام اور ایمان کا دعویٰ کرتا ہے۔ اس کی بیداری یہ ہے کہ مسلسل[3] جہاد کرتا رہے۔ صاحبِ مال جہاد بالمال بھی

---

[1] مثلاً عدل و انصاف اور مظلوموں کی فریاد رسی کے لیے پنچایتوں یا عدالتوں کا قیام غریبوں اور کمزوروں کے وظائف۔ تعلیم و تربیت کے لیے تعلیمی اور اصلاحی ادارے۔ بیماروں کی تیمارداری کے لیے ہسپتال اور شفا خانے ملک و قوم کی حفاظت کے لیے قوّتِ دفاع یعنی فوج اور سامانِ جنگ وغیرہ

[2] مقصد یہ ہے کہ تمام فرائض جو حکومت کے فرائض قرار دیے جاتے ہیں اسلام نے ان کو اہلِ ایمان کے شخصی اور ذاتی فرائض قرار دیا ہے۔ اسلامی تعلیم کے بموجب اگر ان فرائض کا احساس ہوگا تو اس کا مبارک نتیجہ یہ ہوگا کہ حکومت کوئی ہیئت جابرہ اور چیرہ دست طاقت نہیں ہوگی جو قانون کے ذریعہ اپنی چیرہ دستی کا مظاہرہ کرے بلکہ نظامِ حکومت ذریعہ تعاون اور امداد باہمی کا ایک رابطہ ہوگا جس میں ہر ایک فریق دوسرے کا مددگار احسان مند اور دعاگو ہوگا قوم اپنے سربراہ اور اس کے کارپردازوں کی شکرگزار اور احسان مند اس لیے ہوگی کہ اُن کے ذریعہ اس کے ذاتی فرائض حسن و خوبی سے انجام پا رہے ہیں۔ سربراہ اور اس کے عمال قوم کے شکرگزار اس لیے ہوں گے کہ قوم کے تعاون نے اُن کی ذمہ داری کی مشکلات کو آسان کر دیا ہے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ارشاد کا ترجمہ پیش کیا جا رہا ہے جو اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ ترجمہ یہ ہے۔ تمہارے بہترین سربراہ وہ ہیں کہ تم اُن سے محبت کرو وہ تم سے محبت رکھیں تم اُن کو دعائیں دو وہ تم کو دعائیں دیں اور بدترین سربراہ وہ ہوں گے کہ تم ان سے بغض رکھو وہ تم سے بغض رکھیں تم اُن پر لعنت بھیجو وہ تم پر لعنت بھیجیں (مسلم شریف ص ۱۲۹ ج ۲)

[3] ان اللہ اشترٰی من المومنین انفسھم واموالھم الایۃ سورۂ توبہ

کرے گا۔ یہ جہاد درحقیقت خود اپنے نفس سے ہوگا۔ وہ نفس جو بارگاہ بخل[1] اور دربار حرص وطمع میں ہر وقت حاضر رہتا ہے اس کو مجبور کرنا ہوگا کہ وہ اس ظلمت کدہ سے نکلے۔ خودغرضی کی غلاظت سے اپنا دامن پاک کرے[2]۔

ہنگامی اور غیر معمولی ضرورتوں کے لیے جو امداد حاصل کی جائے قرآن حکیم نے اس کو انفاق فی سبیل اللہ یا قرض کا عنوان دیا ہے، لیکن ایک مقرّرہ چندہ جو صاحبِ نصاب پر سال بہ سال فرض ہوتا ہے، اس کا نام زکوٰۃ ہے، کیونکہ اس کا مقصد تزکیہ ہے۔ یعنی نفس مومن کو بخل کی آلودگی سے پاک کرنا۔ اس تمہید کے بعد ارشاد ربّانی کے مضمرات پر گہری نظر ڈالیے۔

ارشادِ ربّانی ہے۔

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَ تُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ۔ (سورۃ ۹ توبہ آیت ۱۰۳)

(ترجمہ) (اے رسول) اُن لوگوں کے مال سے صدقہ (زکوٰۃ) وصول کرو (یہ اس لیے کہ) تم اُن کو (بخل اور حُبّ مال کی پلیدی سے) پاک کرو اور اُن کا تزکیہ کرو۔ (اُن کو سدھاؤ اور اُن کی تربیت کرو کہ ہمدردیٔ خلقِ خدا، سیر چشمی داد و دہش اور امداد باہمی وغیرہ کے وہ عادی ہو جائیں اور یہ باتیں ان کی طبیعتِ ثانیہ بن جائیں) اور ان کو دُعا دو۔ بے شک آپ کی دُعا اُن کے دلوں کے لیے راحت و سکون ہے۔

حُبِّ مال سے صحابہ کرام کے مُبارک قلوب کس درجہ پاک ہوئے۔ حضراتِ مہاجرین اور حضراتِ انصار کی قربانیاں) اس کی مثال پیش کرتی ہیں۔ حضرات مہاجرین کے پاس جو کچھ تھا وہ اُنھوں نے مکّہ میں خرچ کیا اور اس حالت میں مدینہ پہنچے کہ قرآن حکیم نے اُن کے لیے لفظ فقراء[3] استعمال کیا۔

حضراتِ انصار کی قربانیاں آپ اسی کتاب میں ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ تمام جائیدادیں نصف نصف تقسیم کر چکے۔ پھر بھی اُن کی آرزو رہتی تھی کہ راہِ خُدا میں زیادہ سے زیادہ خرچ کریں۔ آں حضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم

---

[1] وَ اُحْضِرَتِ الْاَنْفُسُ الشُّحَّ سورۃ ۴ نساء آیت ۱۲۸ [2] وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۔ سورۃ ۵۹ آیت ۹ [3] سورۃ حشر للفقراء المهاجرين الذين اُخرجوا من ديارهم واموالهم۔

نے بحرین کی جائیدادوں سے ان کے نقصانات کی کچھ تلافی کرنی چاہی تو اس کو لینے سے معذرت کردی کہ پہلے مہاجرین کو آپ عنایت فرمائیں تب یہ جائیدادیں لیں گے ورنہ ہمیں ضرورت نہیں ہے۔

حُبِّ جان سے ترکیہ کا اندازہ کرنے کے لیے اس بے پناہ شوقِ شہادت پر نظر ڈالیے جو ان حضرات کے مبارک دِلوں اور سینوں میں بھر دیا گیا تھا۔

فزت و ربِّ الکعبۃ (میں کامیاب ہوگیا ہوں خُدا کی قسم) کسی مجاہد نے دُشمن کے قتل کرنے پر نہیں کہا تھا۔ حرام بن ملحان کے جب دھوکہ سے نیزہ مارا گیا اور خُون کا فوارہ ابل پڑا تو اس خُونِ شہادت سے[1] وضو کرتے ہوئے آپ نے نعرہ لگایا تھا۔

فزت و ربِّ الکعبۃ ربِّ کعبہ کی قسم میں کامیاب ہوگیا

(میں اپنی مُراد کو پہنچ گیا) یہ پَرتو تھا اُس آرزُوئے شہادت کا جس کے لیے سیّدالانبیاءؐ کا قلب مبارک بیتاب رہا کرتا تھا۔ آپ فرمایا کرتے تھے۔ میری تمنّا ہے کہ راہِ خدا میں قتل کیا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں پھر قتل کیا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں پھر قتل کیا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں پھر قتل کیا جاؤں[2]۔

حضرت عبداللہ بن حُبشیؓ رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا سب سے افضل جہاد کون سا ہے، ارشاد ہُوا من اھریق دمہ و عقر جوادہ[3] جس کا گھوڑا بھی مارا گیا اور خود اس کا خُون بھی بہا دیا گیا۔

---

[1] قال بالدم ھکذا فنضحہ علی وجھہ و راسہ ثم قال فزت وربِ الکعبۃ بخاری شریف ص۵۸۷ اشارہ کرکے بتایا کہ خُون کو اس طرح چلو میں لیا اور اس کو چہرے پر ڈالا سر پر چھڑکا اور کہا فزت و ربِّ الکعبۃ [2] بخاری شریف ص: ۳۹۲ [3] ابوداؤد شریف باب بعد باب فی فضل التطوع فی البیت ص۲۱۱ و ص۲۱۲ (مجتبائی)

وفیات

تاخیر سے موصول ہونے والی اطلاع کے مطابق حضرت اقدس بانی جامعہ کے دیرینہ رفیق جناب عبدالکریم صاحب صابر مدظلہم (ڈیرہ اسمٰعیل خاں) کو آخر رمضان المبارک میں بہت بڑا صدمہ پیش آیا اُن کے صاحبزادے مجتبیٰ صاحب اپنی کپڑے کی دُکان پر اپنے بچّوں کے ساتھ بیٹھے تھے کہ چند دہشت گرد حملہ آور ہوئے۔ نتیجتاً اُن کا ایک بیٹا شہید ہوگیا۔ اِنّا للہ و اِنّا اِلیہ راجعون۔ جبکہ خود مجتبیٰ صاحب دو بیٹوں سمیت زخمی ہوگئے۔ اس پیرانہ سالی میں دادا اور والد کے لیے یہ واقعہ یقیناً بہت بڑا صدمہ ہے۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو جنّت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے والدین اور خاندان کے دیگر افراد کو صبرِ جمیل کی توفیق عطا فرمائے اور آئندہ کے لیے حوادث ناگہانی سے اپنی حفاظت میں رکھے۔

○

۲۴ فروری کو مولانا ضیاء القاسمی صاحب خطیب جامع مسجد گول چوک فیصل آباد کی والدہ محترمہ انتقال کرگئیں۔ اِنّا لِلہ واِنّا اِلیہ راجعون۔ دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحومہ کو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ عطا فرمائے مولانا اور دیگر پسماندگان کو صبرِ جمیل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

○

۱۶ رمضان المبارک کو مولانا فاروق احمد صاحب خطیب جامع مسجد شیریں جھنگ کی والدہ کا انتقال ہوگیا۔ اِنّا للہ و اِنّا الیہ راجعون اُنھوں نے قارئین سے دعاء مغفرت کی اپیل کی ہے۔

○

گزشتہ ماہ حضرت مولانا فضل احمد صاحبؒ بانی جامعہ قاسم العلوم فقیر والی کے بڑے صاحبزادے اور مولانا محمد قاسم صاحب مہتمم جامعہ قاسم العلوم کے بڑے بھائی حضرت مولانا بشیر احمد قادری صاحب مختصر علالت کے بعد انتقال فرماگئے۔ اِنّا لِلہ واِنّا الیہ راجعون۔ مرحوم ایک جید عالم دین اور بہت سی کتابوں کے مصنّف تھے، اللہ تعالیٰ مرحوم کی خدمات کو قبول فرماکر اُن کے درجات کو بلند سے بلند تر فرمائے۔

قارئینِ انوارِ مدینہ سے جملہ مرحومین کی مغفرت اور بلندیِ درجات کی دُعا کی اپیل ہے۔

(ادارہ)

آہ! حضرت جی مولانا انعام الحسنؒ کاندھلوی امیر تبلیغی جماعت

آسماں پہ کیوں ستارے ماند آتے ہیں نظر — چشمِ گیتی ہے ملال و حزن کے اشکوں سے تر
گلشنِ ملّت پہ ہے کیسا خزاں کا سا اثر — کیوں بگڑتی جا رہی ہے حالتِ قلب و جگر
حسرت و رنج و الم ہے ہر طرف ظلمت فگن
ہر بشر کی ہے زباں پہ ہائے انعام الحسنؒ

عالمی تحریک تبلیغی جماعت کے امیر — حسنِ کردار و عمل میں بے مثال و بے نظیر
میرِ ثانی حضرتِ یوسفؒ کے ہم درس و مشیر — ظاہر و باطن میں مہرِ روشن و ماہِ منیر
چھوڑ کر یہ خاک داں باغِ جناں میں جا بسے
یوسفؒ و الیاسؒ صاحب کے گلوں سے جا ملے

آپ کے زیرِ قیادت سلسلہ تبلیغ کا — حق تعالےٰ کے کرم سے دن بدن بڑھتا رہا
ہے زمیں پر جس جگہ ممکن گزر انسان کا — اُس جگہ تک آپ نے پیغامِ دیں پہنچا دیا
یہ عمل ممکن نہیں لطفِ الٰہی کے بغیر
یہ شرف ملتا نہیں فضلِ خصوصی کے بغیر

ناتواں تن دوش لاغر یوں نظر آتا نہ تھا — بار لیں گے آپ تبلیغی امارت کا اٹھا
آپ کے زیرِ قیادت پر بہ توفیقِ خدا — تیس۳۰ سالوں تک بخوبی کام یہ چلتا رہا
یہ خدائی کام بے ذوقِ عمل چلتا نہیں
بے مشقت گوہرِ مقصود ملتا ہے کہیں؟

مشورہ دیتے تو دیتے سب سے بہتر مشورہ — آپ ہی کے مشورے پر فیصلہ ہوتا سدا
درحقیقت آپ ہی کا مشورہ ہوتا بجا — جو سراسر حکمت و دانش سے ہوتا تھا بھرا
جوہرِ فکرِ رسا سے آپ مالا مال تھے
پیکرِ فہم و ذکا تھے صاحبِ اقبال تھے

مختصر سی گفتگو ہوتی مگر مقصد بلند — کر دیا کرتے تھے دریائے سخن کوزے میں بند
دردِ ملّت سے بدن کا درد کرتا بند بند — جا ملے حق سے لیے پہلو میں قلبِ درد مند
زندگی یوں ہی بسر ہوتی ہے اہلُ اللہ کی
لمحہ لمحہ اُن کی ہوتی ہے خدا سے لو لگی

○

سرور میواتی، لاہور

مضامینِ علمیہ

قسط : ۶

تحفۂ اصلاحی

حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالواحد صاحب فاضل و مدرس جامعہ مدنیہ

○

امین احسن اصلاحی صاحب نے اپنی تفسیر "تدبر القرآن" کے علاوہ اصولِ تفسیر میں "مبادی تدبر تفسیر" اور اصولِ حدیث میں "مبادی تدبرِ حدیث" بھی لکھی ہیں۔ اصلاحی صاحب کے مبادی اس بات کا کھلا ثبوت ہیں کہ ع

ہوئے تم دوست جس کے دشمن اس کا آسماں کیوں ہو

اپنے سلسلہ مبادی میں انہوں نے جو گل افشانیاں کی ہیں وہ مدلل ابطال اور احقاق حق کے ساتھ ہدیۂ قارئین ہیں۔ دعا ہے اللہ تعالیٰ اس کو اصلاحِ احوال کا ذریعہ بنائے آمین

امین احسن اصلاحی صاحب کی پانچویں غلطی

امین احسن اصلاحی صاحب یہ بھی لکھتے ہیں۔

"احناف کے نزدیک عموم بلوی کی شکل میں (یعنی جہاں ضرورت کی نوعیت کا تقاضا یہ ہو کہ روایت متعدد طریقوں سے آئے) اخبار آحاد کو کوئی خاص اہمیت نہیں دی جاتی۔ ایسے اُمور میں وہ بسا اوقات اجتہاد اور قیاس کو ترجیح دیتے ہیں۔" (مبادی تدبر حدیث، ص: ۲۳)

اصلاحی صاحب کی یہ بات بھی ناقص ہے۔

ابن ہمام رحمہ اللہ اپنی کتاب التحریر میں لکھتے ہیں۔

"خبر الواحد فیما تعم به البلوی ای یحتاج الکل الیه حاجة متاکدة مع کثرة تکررہ لا یثبت به وجوب دون

ایسا امر کہ جس میں عموم بلوٰی ہو یعنی ہر شخص کو اس کی تاکیدی حاجت ہوتی ہو اور صرف اتنا ہی نہیں بلکہ حاجت بکثرت اور تکرار کے

اشتہار او تلقی الامۃ بالقبول عامۃ الحنفیۃ منھم الکرخی رحمہ اللہ ...ولیس غسل الیدین (قبل ادخالھما فی الاناء عند الشروع فی الوضوء) ورفعھما (ای رفع الیدین عند ارادۃ الشروع فی الصلاۃ) منہ (ای من العمل بخبر الواحد فیما تعم بہ البلوی علی الوجہ المذکور) اذلا وجوب

(تحریر مع التیسیر ص: ۱۱۲، ج: ۳)

ساتھ ہوتی ہو اس میں خبر واحد سے جبکہ اس میں شہرت یا اُمّت کی تلقی بالقبول نہ ہو اکثر حنفیہ کے نزدیک جن میں کرخی رحمہ اللہ بھی ہیں وجوب ثابت نہیں ہوتا . . . اور وضو کے شروع میں برتن میں ہاتھ ڈالنے سے پیشتر دونوں ہاتھوں کو دھونا، اور تکبیر تحریمہ کے وقت دونوں ہاتھوں کو اُٹھانا اس قبیل سے نہیں ہے کیونکہ ان میں وجوب نہیں ہے۔

قلنا التفاصیل ان کانت رفع الیدین والتسمیۃ والجھر بھا ونحوہ من السنن (کوضع الیمین علی الشمال تحت السرۃ واخفاء التامین فلیس (اثبات ذلک) محل النزاع (اذ النزاع فی اثبات الوجوب بہ)

(ایضاً، ص: ۱۱۳، ج: ۳)

ہم کہتے ہیں کہ نماز کی تفصیلات اگر رفع یدین اور بسم اللہ پڑھنا اور بسم اللہ میں جہر کرنا وغیرہ ہو (مثلاً ناف کے نیچے دائیں کو بائیں ہاتھ پر رکھنا اور آمین آہستہ کہنا) سنتیں ہوں تو اُن کا اثبات محل نزاع نہیں ہے کیونکہ نزاع تو مذکورہ خبر واحد سے وجوب کے اثبات میں ہے۔

عبارت میں مذکور شہرت سے کیا مُراد ہے۔ علّامہ بحر العلوم رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

ولیس المقصود منہ وجوب التواتر فی مثلہ حتی تمنع الملازمۃ بل المقصود وصول ھذا الخبر الی الاکثر ولو من واحد والتلقی بہ

(فواتح الرحموت، ص: ۱۲۹، ج: ۲)

اس سے مقصود وجوب تواتر نہیں ہے کہ ملازمت کو تسلیم نہ کیا جائے، بلکہ اس سے مقصود اس خبر کا اکثر لوگوں تک پہنچنا ہے اگرچہ ایک ہی سے پہنچے اور اس کی تلقی اور اس پر اُمّت کا عمل ہے۔

مندرجہ بالا عبارتوں سے یہ بات حاصل ہوتی کہ وہ امر جس میں عموم بلوی ہو اس کے بارے میں جب

کوئی خبر واحد وارد ہو تو اس میں تین صورتیں ہو سکتی ہیں۔

الف : یہ خبر واحد ایسے امر کے بارے میں ہو جو واجب نہ ہو، جیسے ناف کے نیچے ہاتھ باندھنا۔

ب : اس خبر واحد کو شہرت یا تلقی بالقبول حاصل ہو جیسے ابوداؤد اور ابن ماجہ میں حدیث ہے۔

عن عائشۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال طلاق الامۃ تطلیقتان وعدتھا حیضتان اور ابن ماجہ اور دار قطنی کی حدیث ہے۔ عن ابن عمر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طلاق الامۃ اثنتان وعدتھا حیضتان باندی کی طلاقیں دو ہوتی ہیں اور اس کی عدت دو حیض ہوتے ہیں۔ (حاشیہ بر مقدمہ اعلاء السنن ص : ۴۰)

اس کے بارے میں جصاص رحمہ اللہ اپنے 'احکام القرآن' میں لکھتے ہیں۔

وقد استعملت الامۃ ھذین الحدیثین	اُمّت نے ان دونوں حدیثوں پر عمل کیا
وان کان وروده من طریق الآحاد	ہے اگرچہ ان کا ورود آحاد کے طریق پر ہے
فصار فی حیز التواتر لان ما تلقاه	لہذا یہ بمنزلہ تواتر کے ہے، کیونکہ جن اخبار
الناس من اخبار الآحاد بالقبول فھو	آحاد کی لوگ تلقی بالقبول کر لیں وہ ہمارے
عندنا فی معنی التواتر لما بیناہ فی	نزدیک تواتر کے معنی میں ہوتی ہیں اس کی
مواضع اھ (مقدمہ اعلاء السنن ص ۴۰)	وجہ ہم کئی مقامات پر ذکر کر چکے ہیں۔

ج : یہ خبر واحد امر واجب کے بارے میں ہو، لیکن اس کو شہرت یا تلقی بالقبول حاصل نہ ہوئی ہو، مثلاً حدیث من مس ذکرہ فلیتوضأ (جو شخص اپنے آلۂ تناسل کو چھوئے اس کو چاہیے کہ وضو کرے) اس حدیث کو بسرہ بنت صفوان رضی اللہ عنہا نے ذکر کیا۔

تیسیر میں امیر بادشاہ رحمہ اللہ اس کی وجہ لکھتے ہیں۔

فان نواقض الوضوء یحتاج	کیونکہ نواقض وضو کو جاننے کی ضرورت
الی معرفتھا الخاص والعام	ہر خاص و عام کو ہوتی ہے۔ اور یہ سبب
وھذا السبب کثیر التکرار	(آلۂ تناسل کو بلا حائل ہاتھ لگنا) تو کثرت
ولم یشتھر ولم یتلقه	سے واقع ہونے والا ہے جبکہ یہ خبر واحد
الامۃ بالقبول۔ قال السرخسی	نہ تو مشہور ہوئی اور نہ ہی اس کو اُمّت کی

القول بانه عليه الصلاة و السلام خصها بتعليم هذا الحكم مع انها لا تحتاج اليه ولم يعلم سائر الصحابة مع حاجتهم اليه شبه المحال انتهى۔

تلقی بالقبول حاصل ہوئی۔ علامہ سرخسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ کہنا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بسرہ بنت صفوان کو اس مسئلے کی تعلیم کے لیے مخصوص کیا، جبکہ اُن کو اس کی حاجت بھی نہ تھی (کیونکہ بسرہ عورت تھیں) اور دیگر صحابہ کو یہ مسئلہ نہیں بتایا جبکہ ان کو اس کی ضرورت تھی محال کے مشابہ ہے۔ انتہی۔

(تیسیر التحریر، ص: ۱۱۲، ج: ۳)

ان تینوں صورتوں میں سے پہلی دو صورتوں میں خبر واحد پر عمل کیا جاتا ہے ـــــ اور ان میں سے دوسری صورت میں خبر واحد سے وجوب بھی ثابت ہوتا ہے ـــــ البتہ تیسری صورت میں خبر واحد سے وجوب ثابت نہیں ہوتا اور خبر واحد کو سہو یا نسخ پر محمول کیا جاتا ہے۔

اس پوری تحقیق سے یہ بات بخوبی واضح ہوگئی کہ اصلاحی صاحب کی عبارت نہ صرف یہ کہ ناقص ہے بلکہ گمراہ کن بھی ہے کیونکہ اُن کے مقلدین سے بعید نہیں کہ وہ تینوں ہی صورتوں میں خبر واحد کو رَد کر دیں، اور اُس کا بوجھ احناف کے کندھوں پر ڈال دیں جبکہ حال یہ ہے کہ وہ تو اس طرزِ عمل سے کوسوں دُور ہیں۔

امین احسن اصلاحی صاحب آگے ص: ۱۱۸ پر لکھتے ہیں۔

"تاہم یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ عموم بلوی کی ہر شکل میں عمومی روایت کیوں ضروری ہے؟ ہوسکتا ہے کہ ایک معاملے کا تعلق ہو تو بہتوں سے، لیکن وہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے ایسے گوشے سے متعلق ہو جس تک رسائی نہایت محدود ہو۔ دوسرے الفاظ میں یُوں کہیے کہ اس سے متعلق مسئلہ کی ضرورت تو عام ہو لیکن ذرائع خبر قدرتی طور پر محدود ہوں، صرف ایک محدود اور مخصوص طبقہ ہی اس کا ذریعہ بن سکتا ہو، مثلاً خانگی اور ازواجی معاملات وغیرہ۔ تو اس بارے میں کثرت روایات کا اہتمام آخر کہاں سے ہوگا۔ ازواجی زندگی کے معاملات سے متعلق یہ ضرورت تو ہر شخص کو ہے کہ وہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے تعلیم کردہ آدابِ طہارت اور دیگر اُمور سے واقف ہو، لیکن اُن کے متعلق خبر دینے والا طبقہ اصلاً ازواج مطہرات ہی کا ہوسکتا ہے۔ لہٰذا حضرت عائشہ رضؓ، حضرت ام سلمہ رضؓ، حضرت حفصہ رضؓ اور دیگر اُمہات المومنین کی روایات ان معاملات میں ہمارے لیے حجت ہونی چاہییں۔ اگرچہ وہ آحاد ہی ہوں"

امین احسن اصلاحی صاحب کا حنفیہ پر یہ اعتراض محض اس بناء پر ہے کہ ان کو اصل مسئلہ میں حنفیہ کے موقف سے واقفیت نہیں ہے۔ فواتح الرحموت کے حوالے سے ہم یہ لکھ چکے ہیں کہ "اس سے مقصود اس خبر کا اکثر لوگوں تک پہنچنا ہے۔ اگرچہ ایک ہی سے پہنچے اور اس کی تلقی اور اس پر اُمّت کا عمل ہے" کثرتِ روایات جیسا کہ اصلاحی صاحب کہتے ہیں یہ شہرت ہونے کے لیے ضروری نہیں ہے۔

امین احسن اصلاحی صاحب کی چھٹی غلطی

امین احسن اصلاحی صاحب لکھتے ہیں۔

اگرچہ احادیث کی روایت قرآن کے برعکس بیشتر بالمعنی ہوئی ہے۔ تاہم صحیح احادیث کی زبان کا ایک خاص معیار ہے جو بہت اعلیٰ ہے۔ احادیث کی زبان دوسری چیزوں کی زبان سے بالکل مختلف ہے۔ احادیث پر غور کرتے ہوئے اس معیار کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔ خُدا کا شکر ہے کہ احادیث کے مجموعے مدون و مرتّب ہوگئے اور عہد روایت کے ایک خاص دَور تک کی زبان ان میں محفوظ ہوگئی۔ بعد کے ادوار کی زبان بہرحال مختلف ہوتی جاتی ہے۔ ہر باب میں ان احادیث کو مقدم رکھنا چاہیے جو زبان کے اعتبار سے عہد نبوّت کی زبان سے ہم آہنگ ہوں۔

حدیث کے طالب علم کے لیے نہ صرف عہد نبوّت و صحابہ کی زبان کی مہارت ضروری ہے بلکہ اسے اس ذوق کی بھی مناسب تربیت فراہم کرنا ہوگی جس سے وہ اس زبان کو بعد کے ادوار کی زبان سے ممتاز کرسکے اگر یہ چیز کسی کو حاصل نہ ہوگی تو اندیشہ ہے کہ وہ الشیخ والشیخة . . . الخ کو قرآن کی ایک آیت باور کرلے گا۔ حالانکہ قرآن کی ایک آیت تو درکنار اس کو ایک صاحبِ ذوق کے لیے حدیث ماننا بھی مشکل ہے۔ اس کی زبان بالکل عجمی فقہاء کی زبان ہے" (مبادی تدبر حدیث)

"روایتِ حدیث کا بالمعنی ہونا کوئی ایسی بات نہیں ہے جس پہ کوئی معقول آدمی اعتراض کرسکے۔ احادیث کے لیے قرآن کی طرح الفاظ کی پابندی کے ساتھ روایت کی قید اس کام کو بالکل ناممکن بنا دیتی . . . قرآن مجید کی روایت کے لیے الفاظ کی قید لازمی ہے۔ اگر یہی پابندی روایت حدیث سے متعلق بھی کردی جاتی تو یہ ایک ناممکن ہدف ہوتا جو حکمتِ نبوی کے ایک بڑے ذخیرہ سے محروم کردیتا۔ (ص ۱۰۱، ۱۰۰ مبادی تدبر حدیث)

امین احسن اصلاحی صاحب روایت بالمعنی کی ضرورت اور اس کے تحقق کے قائل ہونے کے باوجود

حدیث "الشیخ والشیخۃ اذا زنیا ... الخ کو حدیث ماننے پر بھی تیار نہیں ہو رہے اور یہ دلیل دے رہے ہیں کہ اس کی زبان بالکل عجمی فقہاء کی زبان ہے اور تعجب کی بات یہ ہے کہ یہ روایت موطا امام مالکؒ کی ہے جس کی تعریف میں اصلاحی صاحب بھی رطب اللسان ہیں لیکن اس جیسی روایت کو دیکھ کر انھوں نے موطا امام مالکؒ کی حسن کو بھی اپنے اعتراض اور طعن و تشنیع سے بلا دلیل داغدار کرنے کی یوں کوشش کی ہے۔

"یہاں اس امر کا بیان بھی ضروری ہے کہ موطا میں چور دروازے سے آنے والی بعض روایتوں کی نوعیت بہرحال استثنائی ہے۔ اس لیے کہ اس کتاب کی روایت جیسا کہ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں۔ متعدد واسطوں سے ہے تو اس میں کسی انمل بے جوڑ چیز کا گھسا دینا کوئی بعید بات نہیں ہے۔ بہرحال صاحبِ ذوق اسے بڑی آسانی سے نشان زد کر لیتا ہے۔ یہ کام چنداں مشکل نہیں ہے۔ (ص: ۱۴۹ مبادی تدبر حدیث)

رجم کے "حد" ہونے نہ ہونے سے متعلق اصلاحی صاحب نے جو اصول اختیار کیے تھے۔ اُن کی غلطی کو ہم پیچھے تفصیل سے ذکر کر چکے ہیں اور ہم نہیں سمجھتے ہیں کہ امین احسن اصلاحی صاحب یا اُن کے متعلقین میں سے کوئی شخص دیانتداری سے اس کا مطالعہ کرنے کے بعد بھی اپنی رائے پر اڑا رہے۔ ہماری مذکورہ تفصیل کے بعد اس حدیث الشیخ والشیخۃ کے قرآن کے منافی ہونے کی تو کوئی بنیاد نہیں رہ جاتی، البتہ اس حدیث پر اب دو پہلوؤں سے کلام کی ضرورت رہ جاتی ہے۔ اوّلاً اس کی زبان کے اعتبار سے اور ثانیاً کیا یہ روایت چور دروازے سے تو موطا میں داخل نہیں کی گئی۔

یہ حدیث موطا امام مالک میں تفصیلاً یوں ہے۔

مالك عن يحيىٰ بن سعيد عن سعيد بن المسيب ان عمر بن الخطاب قال اياكم ان تهلكوا من آية الرجم ان يقول قائل انا لا نجد حدين في كتاب الله فقد رجم رسول الله صلى الله عليه وسلم و رجمنا والذي نفسي بيده لولا ان يقول الناس زاد عمر بن الخطاب في كتاب الله تعالىٰ لكتبتها الشيخ والشيخة اذا زنيا فارجموهما البتة فانا قد قرأناها - قال يحيىٰ سمعت مالكا يقول قول الشيخ والشيخة يعني الثيب والثيبة فارجموهما البتة

(الف) اس حدیث کی زبان کے اعتبار سے کلام

اس پُوری حدیث میں سوائے الشیخ والشیخۃ کے الفاظ کے اور کوئی الفاظ ایسے نہیں ہیں جن پر عجمی فقہاء کی زبان کا لیبل چسپاں ہو سکے، حالانکہ الشیخ والشیخۃ کے الفاظ بھی ایسے نہیں جو فصیح عربی میں نہ ملتے ہوں۔ الشیخ کا لفظ تو خیر ہے ہی معروف الشیخۃ کے بارے میں لسان العرب میں یُوں ہے۔

الشیخ: الذی استبانت فیہ السن وظھر علیہ الشیب (وہ شخص جس میں بڑھاپا ظاہر ہو گیا ہو) والانثی شیخۃ۔ قال عبید بن الابرص۔

کانھا لقوۃ طلوب تیبس فی وکرھا القلوب
باتت علی ارم عذوبا کانھا شیخۃ رقوب

تو یہ فصیح عربی کے الفاظ ہیں جو کہ مجازاً شیب و شیبۃ کے لیے استعمال ہُوئے ہیں۔ ان الفاظ اور اُن کے استعمال میں عجمی فقہاء کی عجمیت تو کہیں نظر نہیں آتی۔

اصل بات یہ ہے کہ امین احسن اصلاحی صاحب رجم کے حد ہونے کے قائل نہیں ہیں۔ کیوں نہیں ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ وہ صاحبِ ذوق آدمی ہیں اور اُنھوں نے اپنے ذوق ہی کو اصل معیار و دلیل بنایا ہُوا ہے کوئی شخص کتنے ہی دلائل دے، لیکن چونکہ اُن کا ذوق اُن کو قبول نہیں کرتا، لہٰذا وہ بے وقعت ہیں اور انمل و بے جوڑ ہیں اسی کو اُنھوں نے اس طرح تعبیر کیا ہے۔

"... اس میں کسی انمل بے جوڑ چیز کا گھُسا دینا کوئی بعید بات نہیں ہے۔ بہرحال صاحبِ ذوق اُسے بڑی آسانی سے نشان زد کر لیتا ہے۔ یہ کام چنداں مشکل نہیں ہے۔"

(ب) کیا یہ حدیث مؤطا میں چور دروازے سے داخل کی گئی ہے؟

اصل بات وہی ہے جو ابھی ہم نے بیان کی ہے کہ امین احسن اصلاحی صاحب کا ذوق رجم کو حد ماننے پر تیّار نہیں ہے۔ اب اگر کوئی ایسی دلیل سامنے آجائے جس سے رجم کے حد ہونے پر دلالت حاصل ہوتی ہو تو منطقی نتیجے کے طور پر اصلاحی صاحب کا ذوق اس کو بھی رد کرتا ہے اور رد کرنے کی توجیہ کہیں اس طرح کی جاتی ہے کہ دلیل میں مذکور واقعہ کسی غنڈے بدمعاش کا ہے اور کہیں یہ توجیہ کی جاتی ہے کہ یہ عجمی فقہاء کی سازش ہے اور اُنھوں نے اس کو روایت بنا کر مؤطا میں چور دروازے سے داخل کر دیا ہے۔

اس کے برعکس اگر مؤطا امام مالک ہی کی رجم کے حد ہونے سے متعلق دیگر احادیث و روایات کا مطالعہ کیا جائے تو رجم کے حد ہونے میں کسی قسم کے شک کے باقی رہنے کی گنجائش نہیں رہتی۔ ملاحظہ فرمائیے۔

مالك عن ابن شهاب عن عبيد الله بن عبد الله بن عتبة بن مسعود عن ابی هريرة و زيد بن خالد الجهنی انهما اخبراه ان رجلين اختصما الی رسول الله صلّی الله عليه وسلّم فقال احدهما اقض بيننا بكتاب الله وقال الآخر و هو افقههما اجل يا رسول الله فاقض بيننا بكتاب الله و اذن لی ان اتكلم قال تكلم فقال ان ابنی كان عسيفًا علی هذا فزنیٰ بامرأته فاخبروني ان علی ابنی الرجم فافتديت منه بمائة شاة وبجارية لی ثم انی سألت اهل العلم فاخبروني ان علی ابنی جلد مائة وتغريب عام و اخبروني انما الرجم علی امرأته فقال رسول الله صلّی الله عليه وسلّم اما والذی نفسی بيده لأقضين بينكما

ابو ہریرہ اور زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہما نے خبر دی کہ دو شخص رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے پاس جھگڑا لے کر آئے۔ اُن میں سے ایک نے کہا کہ ہمارے درمیان کتاب اللہ کے موافق فیصلہ فرما دیجیے۔ دوسرا شخص جو کہ زیادہ سمجھ دار تھا، اس نے بھی کہا جی ہاں یا رسول اللہ ہمارے درمیان کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ فرما دیجیے، اور مجھے بات بتانے کی اجازت عطا فرمائیے آپ نے فرمایا کہ بتاؤ، کہا کہ میرا بیٹا اس کا اجیر تھا۔ اس نے اس کی بیوی سے زنا کیا۔ لوگوں نے مجھے بتایا کہ میرے بیٹے پر رجم کی سزا ہے تو مَیں اس شخص کو سو بکریاں اور اپنی ایک باندی فدیہ میں دی۔ پھر مَیں نے اہلِ علم سے پُوچھا تو اُنھوں نے مجھے بتایا کہ میرے بیٹے پر سو کوڑے اور ایک سال کی جلا وطنی ہے اور اُنھوں نے مجھے یہ بتایا کہ اس کی بیوی پر رجم کی حد ہے۔ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے مَیں تم دونوں کے درمیان کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ کروں گا۔ رہی تیری بکریاں اور تیری باندی تو وہ تجھے واپس اور اس کے

بکتاب الله اما غنمك و جاريتك فرد عليك وجلد ابنه مائة وغربه عاما و امر انيس الاسلمى ان ياتى امرأة الآخر فان اعترفت رجمها قال فاعترفت فرجمها۔

بیٹے کو سو کوڑے لگوائے اور ایک سال کے لیے جلا وطن کیا اور انیس اسلمی کو حکم دیا کہ وہ دوسرے شخص کی بیوی کے پاس جائیں (اور اس سے پوچھیں) اگر وہ اعترافِ زنا کرلے تو اس کو رجم کردیں۔ اس عورت نے اعتراف کرلیا تو اس کو رجم کردیا۔

مالك باسناده عن عمر رضى الله عنه انه قال الرجم فى كتاب الله تعالى حق على من زنى من الرجال والنساء اذا احصن۔

عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا رجم اللہ تعالیٰ کی کتاب میں حق و ثابت ہے اس مرد و عورت پر جو حالت احصان میں زنا کرے۔

مالك عن ابن شهاب عن عبيد الله بن عبد الله بن عتبة بن مسعود عن عبد الله بن عباس قال سمعت عمر بن الخطاب يقول الرجم فى كتاب الله عزوجل حق على من زنى من الرجال والنساء اذا احصن اذا قامت عليه البينة أو كان الحمل والاعتراف

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ میں نے عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا اللہ عزوجل کی کتاب میں رجم ثابت ہے اس مرد و عورت پر جو حالت احصان میں زنا کرے۔ جبکہ اس کے خلاف گواہ قائم ہو جائیں یا حمل ہو یا اعتراف ہو۔

مالك عن يحى بن سعيد عن سليمان بن يسار عن ابى واقد الليثى ان عمر بن الخطاب اتاه رجل وهو بالشام فذكر له انه وجد مع امرأته رجلا فبعث عمر بن الخطاب ابا واقد الليثى الى امرأته يسألها عن ذلك فأتاها وعندها نسوة

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس جبکہ وہ شام میں تھے ایک شخص آیا اور ذکر کیا کہ اس نے اپنی بیوی کے پاس ایک اجنبی مرد کو پایا۔ حضرت عمرؓ نے ابو واقد لیثی کو اس کی بیوی کے پاس بھیجا کہ اس سے اس بارے میں پوچھیں اس عورت کے پاس کچھ اور عورتیں بھی تھیں۔ ابو واقد نے اس الزام کے بارے میں سوال کیا جو اس کے شوہر نے لگایا تھا اور اس کو یہ بھی

حولها فذكر لها الذى قال زوجها لعمر بن الخطاب واخبرها انها لا توخذ بقوله وجعل يلقنها اشباه ذلك لتنزع فابت ان تنزع وتمت على الاعتراف فامر بها عمر فرجمت

بتایا کہ محض شوہر کے قول پر اسکی گرفت نہیں کی جائے گی اور اسی طرح کی اور باتیں اس کو تلقین کرنے لگے تاکہ وہ اعتراف سے باز رہے، لیکن اس نے اعتراف ہی کرنے کو اختیار کیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو رجم کرنے کا حکم دیا اور اس کو رجم کر دیا گیا۔

مالك انه بلغه ان عثمان بن عفان اتى بامرأة قد ولدت فى ستة اشهر فامر بها ان ترجم فقال له على بن ابى طالب ليس ذلك عليها ان الله تبارك وتعالىٰ يقول فى كتابه وحمله وفصاله ثلاثون شهرا و قال والوالدات يرضعن اولادهن حولين كاملين لمن اراد ان يتم الرضاعة فالحمل يكون ستة اشهر فلا رجم عليها فبعث عثمان فى اثرها فوجدها فرجمت

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس ایک عورت لائی گئی جس نے چھ مہینے میں بچہ جنا تھا۔ حضرت عثمان نے اس عورت کو رجم کیے جانے کا حکم دیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا کہ اس پر حد نہیں آتی کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب میں فرماتے ہیں وحمله وفصاله ثلاثون شهرا نیز فرماتے ہیں والوالدات یرضعن اولادهن حولین کاملین لمن اراد ان یتم الرضاعة لہٰذا حمل چھ ماہ کا ہو سکتا ہے اور اس پر رجم کی حد نہیں آتی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس عورت کے پیچھے آدمی بھیجا، لیکن وہ رجم کی جا چکی تھی۔

ذرا اندازہ کیجیے کہ یہ احادیث و روایات اس کتاب کی ہیں جس کے بارے میں خود امین احسن اصلاحی صاحب لکھتے ہیں۔

"یہ امام ابوعبداللہ مالک بن انس بن عامر رحمۃ اللہ علیہ (۹۳ھ - ۱۷۹ھ) کی تدوین ہے جو امام اہلِ مدینہ ہیں . . . وہ جب اس عظیم خدمت سے فارغ ہوئے تو انھوں نے مدینہ منورہ کے ستر جید فقہاء کو یہ کتاب

دکھائی۔

امام شافعی علیہ الرحمۃ جیسے جلیل القدر امامِ حدیث و فقہ کا ارشاد ہے کہ آسمان کے نیچے کتاب اللہ کے بعد کوئی کتاب موطا امام مالک سے زیادہ صحیح نہیں ہے...

حدیث کے باب میں اُن کے قائم کردہ اُصول جن کا التزام اُنھوں نے برابر کیا ہے۔ ہمارے نزدیک نہایت قابلِ اعتماد ہیں جس سے اُن کی کتاب کا رنگ بالکل مختلف ہو گیا ہے۔ ان کی احتیاطوں کی شان کتاب کے مطالعہ کے دوران محسوس ہوتی ہے ... الخ" (ص: ۱۴۸، مبادی تدبر حدیث)

کیا امین احسن اصلاحی صاحب ان سب روایتوں اور حدیثوں کو قرآن کے مخالف خبر واحد کہہ کر رد کر دیں گے یا اُن کی رائے کے مطابق منافقین اور یہود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں خفیہ طور پر بدکاری کے اڈے چلا رہے تھے۔ وہ حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کے دور تک چلے آ رہے تھے اور ان روایتوں میں جن اشخاص کا ذکر ہے (اگرچہ قرائن سے اُن کے مسلمان ہونے کا پتہ چلتا ہے) وہ یہود و منافقین ہی تھے۔

بقیہ: درس حدیث

ایمان والا جو آدمی ہو گا جس کے دِل میں ایمان ہو گا۔ جب بُرائی ہو گی تو اُسے تکلیف پہنچے گی، اگر خود بُرا کام ہو گیا اس سے تو تکلیف پہنچے گی، تو مَنْ سَرَّتْهُ حَسَنَتُهُ وَسَاءَتْهُ سَيِّئَتُهُ فَهُوَ مُؤْمِنٌ۔

جو آدمی ایسا ہو کہ اگر اس سے کوئی اچھا کام ہو جائے تو اُسے اس اچھے کام سے خوشی ہوتی ہے تو اس کا مطلب یہ ہُوا کہ اس کے دِل میں ایمان ہے اور ایمان کو جو غذا پہنچتی ہے ایمان کے مناسب جب کوئی کام کرتا ہے تو ایک سرور محسوس کرتا ہے آدمی۔ دکھاوا نہیں

بلکہ خود بخود اندر ایک کیفیت محسوس کرتا ہے آدمی سَاءَتْهُ سَيِّئَتُهُ، کوئی بُرا کام اگر ہو جاتا ہے تو اس کے بعد طبیعت میں اس کے پریشانی ہو جاتی ہے اور بُرائی محسوس کرتا ہے کہ میں نے یہ بُرا کام کیا اس بُرائی کے بُرے ہونے کی وجہ سے اس کو تکلیف پہنچتی ہے اگر کسی کے اندر یہ بات پائی جاتی ہے فھو مؤمن تو پھر وہ کامل الایمان ہے۔ اس کا ایمان دُرست ہے اور ٹھیک ہے اور کامل ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو صحیح عقائد پہ قائم رکھے اور صحابۂ کرام کے ساتھ محشور فرمائے آمین۔

دارالافتاء جامعہ مدنیہ لاہور

مُدرّس و نائب مفتی و فاضل جامعہ مدنیہ

سوال: میڈیسن کمپنیوں کے نمائندے (سفیر) کمپنیوں کی جانب سے ڈاکٹروں کو کچھ دوائیں بطور نمونہ (SAMPLE) کے دیتے ہیں۔ بعض اوقات کبھی کچھ اور اشیاء بھی ہدیہ کے طور پر دیتے ہیں۔ نمونہ کی دواؤں پر یہ لکھا ہوتا ہے کہ "یہ دوا برائے فروخت نہیں ہے۔"

اسی طرح میڈیسن کمپنیاں کبھی تو خود اپنی طرف سے اور کبھی خود بعض ڈاکٹروں کی تحریک و مطالبہ پر طبی کانفرنسوں کی سرپرستی کرتی ہیں اور تمام یا بہت سے اخراجات خود اُٹھاتی ہیں جن میں بعض شرکاء کانفرنس کے سفری اخراجات اور بڑے ہوٹلوں میں شرکائے کانفرنس کے قیام و طعام کے اخراجات بھی ہوتے ہیں۔

اس مذکورہ صورتِ حال میں مندرجہ ذیل سوالات کے جواب مطلوب ہیں۔

(۱) کیا ڈاکٹروں کے لیے دواؤں کے نمونہ جات لینا جائز ہے؟

(۲) کیا وہ ڈاکٹر جو سرکاری ہسپتالوں میں کام کرتے ہیں، اُن کے لیے ان نمونہ جات کو اپنے یا اپنے اقارب کے استعمال میں لانا جائز ہے؟

(۳) کیا ڈاکٹروں کو نمونہ کی دوائیں فروخت کرنا جائز ہے؟ اور حاصل شدہ قیمت اُن کے لیے حلال ہے؟

(۴) ایسی کانفرنسوں کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

الجواب باسم ملھم الصواب حامدا و مصلیا

(۱) کمپنی کی جانب سے جو نمونہ جات یا ہدیے ڈاکٹروں کو دیے جاتے ہیں۔ ڈاکٹروں کے لیے اُن کو لینا اور اُن کو اپنے استعمال میں لانا جائز ہے۔

(۲) وہ ڈاکٹر جو سرکاری ہسپتالوں میں کام کرتے ہیں، اُن کو بھی کمپنیوں کے نمائندے (سفیر) دواؤں کے نمونہ جات ایک ڈاکٹر کی حیثیت سے دیتے ہیں۔ سرکاری ملازم کی حیثیت سے نہیں جس کی دلیل یہ ہے کہ اگر وہ ڈاکٹر ملازمت چھوڑ کر اپنا نجی مطب کھول لے تب بھی یہ نمائندے اس کے پاس حاضری دیتے ہیں اور نمونہ جات و ہدیے دیتے ہیں۔

البتہ اگر کوئی ڈاکٹر سرکاری ملازمت میں ایسی حیثیت میں ہو کہ اس کو کمپنیوں سے دوائیں خریدنے کا اختیار ہو، اور کمپنیوں کے نمائندے (REPRCJENTATIVEJ) اس کو نمونہ جات دیتے ہوں تو نمونہ جات سرکاری ملکیت ہوں گے اور ڈاکٹر کے ذمے واجب ہوگا کہ وہ اُن کو ہسپتال کے سٹور میں جمع کرا کے جائز مصرف میں خرچ کرے۔ اسی حیثیت میں جو ہدیے ملیں وہ بھی سرکاری ملکیت شمار ہوں گے، ڈاکٹر کی ذاتی ملکیت شمار نہیں ہوں گے ——— ہدیے اگر ہسپتال کے استعمال میں آسکیں تو ٹھیک ہے، ورنہ اُن کو فروخت کر کے دوائیاں یا ہسپتال کی ضرورت کی دیگر اشیا خرید لی جائیں۔

نوٹ: (الف) اگر ایسا مذکور ڈاکٹر علاج معالجہ بھی کرتا ہو اور مریضوں کو نسخہ جات تجویز کرتا ہو تو اگرچہ اس بات کا بھی احتمال ہے کہ اس کو ڈاکٹر کی حیثیت سے نمونہ جات و ہدیے دیے گئے ہوں لیکن چونکہ کاروباری نقطۂ نظر سے سرکاری اختیار کی حیثیت غالب ہوتی ہے اور احتیاط بھی اسی میں ہے لہٰذا اس ڈاکٹر کو ملنے والے تمام نمونہ جات و ہدایا خواہ ہسپتال میں دیے گئے ہوں یا نجی مطب میں دیے گئے ہوں سرکاری ملکیت شمار ہوں گے۔

(ب) کسی غیر سرکاری ادارے کے تحت چلنے والے ہسپتال میں ایسے بااختیار ڈاکٹر کے لیے بھی یہی حکم ہے۔

(۳) (الف) کمپنیاں ڈاکٹروں کو جو نمونے دیتی ہیں اس شرط کے ساتھ دیتی ہیں کہ ان کو فروخت نہیں کیا جائے گا، چونکہ کمپنیوں کا ہبہ مطلق نہیں ہوتا، بلکہ اس غرض سے ہوتا ہے کہ ڈاکٹر اُن کے نمونوں کو خود استعمال کر کے یا دوسروں کو استعمال کرا کے اُن کے اثرات کا تجربہ و مشاہدہ کریں اور مفید پا کر مریضوں کو تجویز کریں اور چونکہ یہ غرض اسی وقت پوری ہو سکتی ہے جب ڈاکٹر اُن کو فروخت نہ کریں بلکہ ان کو خود استعمال کریں یا خود دوسروں کو کروائیں۔ لہٰذا کمپنیوں کی جانب سے یہ شرط فاسد نہیں ہے بلکہ غرض کے مناسب و ملائم ہے اور المسلمون عند شروطھم کے تحت اس شرط کی پابندی و پاسداری ضروری ہے۔

غرض شرط کی پابندی کرتے ہوئے ڈاکٹروں کے لیے جائز نہیں کہ وہ نمونہ جات کو فروخت کریں، لیکن اگر کوئی اُن کو فروخت کردے کو اصل ہبہ کے اعتبار سے بیع صحیح ہوجائے گی، البتہ ڈاکٹر پر لازم ہوگا کہ وہ اُن کی قیمت کو اپنے استعمال میں نہ لائے بلکہ اس رقم سے وہی دوا یا اگر وہ دوا اس کے دائرہ استعمال میں نہ آتی ہو تو کوئی اور دوا خرید کر لوگوں کو مفت استعمال کے لیے دے دے، اور اگر کسی وجہ سے ایسا کرنا ممکن نہ ہو تو اس رقم کو صدقہ کردے۔

اگر ڈاکٹر نمونہ جات کو فروخت کرکے حاصل شُدہ رقم اپنے استعمال میں لائے گا تو اگرچہ وہ رقم اور اس سے خرید کردہ شے ڈاکٹر کے حق میں حرام تو نہیں ہوگی، لیکن شرط کے خلاف کرنے پر ڈاکٹر گنہگار ہوگا۔

تنبیہ: کسی کو یہ خیال ہو کہ تجربہ و مشاہدہ تو ایک دو مرتبہ کے استعمال سے ہوجاتا ہے، جبکہ کمپنیوں والے نمونہ جات بار بار دے جاتے ہیں لہٰذا بہ تکرار دینے میں کمپنی کی وہ غرض باقی نہیں رہتی۔

اس کا جواب یہ ہے کہ کمپنی والے تکرار کے ساتھ بھی نمونہ کہہ کر اور لکھ کر دیتے ہیں اور دوا میں نمونہ و SAMPLE سے وہی غرض ہوتی ہے جو اُوپر مذکور ہوئی جبکہ بار بار تجربہ و مشاہدہ کرنا بے فائدہ نہیں ہوتا بلکہ مفید ہی ہوتا ہے کیونکہ مختلف مریضوں میں ایک دوا کے مختلف مفید و مضر اثرات دیکھنے کو ملتے ہیں۔ لہٰذا غرض منتفی نہیں ہوتی بلکہ باقی رہتی ہے۔

(ب) آج کل نمونہ جات (SAMPLES) میں رشوت کا عنصر (ELEMENT) شامل ہوتا جارہا ہے۔ کمپنیاں زیادہ ہونے کی وجہ سے اُن کے مابین مقابلہ بھی زیادہ ہوگیا ہے اور کمپنی کے نمائندے اپنی ملازمت کو مستقل کرانے کی خاطر یا مزید ترقی کی خاطر ایسے ڈاکٹروں کو زیادہ زیادہ نمونہ جات دیتے ہیں جو اُن کی کمپنی کی ادویہ زیادہ لکھتے ہیں یا زیادہ لکھنے پر آمادہ ہوتے ہیں۔ ڈاکٹروں پر لازم ہے کہ وہ کمپنیوں سے نمونہ جات وہدیے لینے میں استغناء کو اختیار کریں اور کمپنی کے نمائندوں کی خاطر ضابطۂ اخلاق و قانونِ شریعت کو نہ توڑیں۔

(ج) کمپنی کے نمائندوں کی خاطر یا ان سے نمونہ جات یا دیگر ہدایا و مفادات حاصل کرنے کی خاطر بلاضرورت دوائیں تجویز کرنا یا کم استطاعت والے مریضوں کو مہنگی ادویہ تجویز کرنا جبکہ متبادل مؤثر اور سستی ادویہ موجود ہوں ظلم و خیانت ہے اور ناجائز ہے۔

(د) نمونہ اور SAMPLE کی دوائیں اگر کسی میڈیکل سٹور پر فروخت کی جارہی ہوں تو بہتر ہے کہ

اُن کو نہ خریدا جائے اور اگر خرید ہی لیا جائے تو دوا حلال تو ہوگی، لیکن کراہت تنزیہی کے ساتھ۔ یہ حکم اس وقت ہے جب معلوم نہ ہو کہ سٹور میں دوا کس ذریعہ سے آئی ہے اور اگر معلوم ہو کہ کمپنی کے نمائندوں نے مال چوری کر کے سٹور کو دیا ہے یا ڈاکٹروں میں تقسیم کرنے کے بجائے سٹور کو فروخت کر دیا ہے تو چونکہ چوری کا مال ہے لہٰذا اس کو خریدنا جائز نہیں۔

دواؤں کی کمپنیوں کے زیرِ سرپرستی طبی کانفرنسوں کے انعقاد کا مسئلہ

کمپنیاں ازخود یا ڈاکٹروں کی درخواست و تحریک پر طبی کانفرنسیں کرواتی ہیں۔ یہ کانفرنسیں چھوٹے بڑے پیمانہ پر ہوتی ہیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ کانفرنس کا کل خرچہ صرف ایک یا ایک سے زائد کمپنیاں برداشت کرتی ہیں۔ اس میں شرکائے کانفرنس کے اعلیٰ ہوٹل میں قیام و طعام کا خرچہ اور بعض خصوصی شرکاء اور مہمانوں کے سفری اخراجات بھی شامل ہوتے ہیں۔

(الف) کمپنی ازخود اپنی تحریک پر ایسی کوئی کانفرنس کریں تو بظاہر کوئی حرج نہیں ہے لیکن چونکہ اس سے کمپنی کا مقصود اپنی مصنوعات کی ترویج ہوتی ہے اور ترویج کا ذریعہ ڈاکٹر ہی ہوتے ہیں، لہٰذا ڈاکٹر کا کمپنی کی ایسی کسی پیش کش سے فائدہ اُٹھانا جس سے وہ کسی بھی حد تک اس کمپنی کی مصنوعات کی ترویج کا پابند ہو جائے یا اپنے آپ کو پابند محسوس کرے ناجائز ہے اور رشوت ہے۔ اس میں اعلیٰ ہوٹل میں قیام و طعام بھی شامل ہے۔ اور سفری خرچ بھی۔

(ب) جب خود ڈاکٹروں کے مطالبہ پر کمپنی کسی طبی کانفرنس کی سرپرستی کرے تو اس صورت میں ڈاکٹروں کو بہت زیادہ احتیاط اور استغناء کی ضرورت ہے۔ کوئی ایسا فائدہ اُٹھانا خواہ وہ سفری ٹکٹ کا ہو یا ہوٹل میں قیام و طعام کا ہو جس کے بعد وہ کمپنی کے کسی درجہ میں پابند ہو جائیں یا پابند محسوس کریں جائز نہیں۔ خاص کانفرنس کے انتظام تو کمپنی کے سپرد کیے جا سکتے ہیں، البتہ شرکائے کانفرنس کا قیام و طعام خود شرکاء کے اپنے ذمے ہو۔ کسی خاص اور ضروری مہمانوں کو باہر سے بلانے کا معاملہ ہو تو اس کا خرچ بھی کمپنی کے ذمہ دیا جا سکتا ہے۔ کمپنی کے انتظام کرنے سے کمپنی کو اپنی مطلوبہ تشہیر حاصل ہو جائے گی اور اپنے قیام و طعام و سفر خرچ خود برداشت کرنے سے ڈاکٹر کمپنی کے پابند بھی نہیں ہوں گے۔

علاوہ ازیں دونوں ہی صورتوں میں ضروری ہے کہ اسراف و تبذیر سے بچا جائے اور مادی آسائشوں کے بجائے علمی معیار پر زور دیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

مولانا نعیم الدین صاحب، فاضل و مدرس جامعہ مدنیہ

حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کی چاہِ زمزم پر دعا

حضرت سوید بن سعیدؒ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن مبارک (م ۱۸۱ھ) رحمہ اللہ کو دیکھا کہ انھوں نے چاہِ زمزم سے پانی نکالا پھر کعبۃ اللہ کی طرف منہ کر کے کہا۔

"اَللّٰھُمَّ اِنَّ ابْنَ اَبِی الْمَوَالِیْ حَدَّثَنَا عَنْ محمدِ بنِ الْمُنْکَدِرِ عَنْ جَابِرٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَّہٗ قَالَ مَاءُ زَمْزَمَ لِمَا شُرِبَ لَہٗ وَ لِھٰذَا اَشْرَبُہٗ لِعَطْشِ یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ۔"

اے اللہ ابن ابی الموالی نے مجھ سے بیان کیا، ان سے محمد بن المنکدر نے ان سے جابرؓ نے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ہے کہ زمزم کا پانی جس مقصد کے لیے پیا جائے وہ پورا ہوگا، تو میں اس کو قیامت کی تشنگی سے بچنے کے لیے پیتا ہوں۔

علامہ ابن حجر عسقلانی شافعی رحمہ اللہ (م ۸۵۲ھ) کے متعلق اُن کے شاگرد علامہ کمال الدین بن ہمام حنفی رحمہ اللہ (م ۸۶۱ھ) تحریر فرماتے ہیں۔

"قال شیخنا قاضی القضاۃ شھاب الدین العسقلانی الشافعی . . . انا شربتہ

ہمارے اُستاذ قاضی القضاۃ شہاب الدین ابن حجر عسقلانی شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے طلبِ حدیث کے ابتدائی زمانہ میں رحج

لہ اعیان الحجاج، ج: ۱، ص: ۱۲۱

فی بدایة طلب الحدیث ان یرزقنی اللہ حالة الذهبی فی حفظ الحدیث ثم حججت بعد مدةٍ تقرب من عشرین سنةً وانا اجد من نفسی المزید علی تلك الرتبة فسألت رتبةً اعلیٰ منها وارجوا اللہ ان انال ذالك منه"[1]

بیت اللہ کے موقعہ پر) زمزم پیا اور یہ دُعا کی کہ یا اللہ مجھے حافظ ذہبیؒ جیسا حافظہ عطا فرما، تقریباً بیس سال بعد مجھے پھر حج کی سعادت نصیب ہوئی، اس وقت اس فن میں اپنی واقفیت حافظ ذہبی سے کچھ زیادہ ہی پاتا تھا۔ مَیں نے اس (دفعہ زمزم پیتے وقت) اس سے اور اُونچا مرتبہ حاصل ہونے کی دُعا کی، مجھے خُدا تعالیٰ سے اُمّید ہے کہ مجھے وہ بھی حاصل ہوجائے گا۔

علّامہ کمال الدّین بن ھمام رحمہ اللہ جب خود حج بیت اللہ کی سعادت سے سرفراز ہُوئے تو آپ نے زمزم پیتے وقت یہ دُعا کی کہ

"دین پر استقامت نصیب ہو اور ایمان واسلام پر خاتمہ ہو"[2]

علّامہ کمال الدین بن الھمامؒ کے رفیق علّامہ جلال الدّین سیوطی شافعی رحمہ اللہ (م ۹۱۱ھ) فرماتے ہیں کہ مَیں نے زمزم پیتے وقت یہ دُعا کی تھی۔

"اللہ تعالیٰ مجھے حدیث میں حافظ ابن حجرؒ کا اور فقہ میں علّامہ بُلقینیؒ کا مرتبہ عطا فرمادے"[3]

کیا آپ بھی اولیاء اللہ کو مُردہ کہتے ہیں؟

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ (م ۱۰۵۲ھ) تحریر فرماتے ہیں۔

"حضرت شیخ نظام الدّین اولیاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ شیخ احمدؒ (م ۶۶۹ھ) میرے دوستوں میں سے تھے۔ بڑے صالح اور درویشوں سے محبّت کرنے والے ابدال صفت بزرگ تھے، اگرچہ باضابطہ پڑھے لکھے نہ تھے، مگر دن رات آپ کا شغل شرعی مسائل میں انہماک تھا آپ کے رحلت کرجانے کے بعد مَیں نے ایک دفعہ آپ کو خواب میں دیکھا ملاقات ہُوئی تو اُنھوں نے اپنی حیات کے معمول کے مطابق مجھ سے

---

[1] فتح القدیر لابن الھمام ج:۱، ص: ۳۰۰، طبع رشیدیہ کوئٹہ [2] فتح القدیر: ج:۱، ص: ۳۰۰۔

[3] حسن المحاضرة فی اخبار مصر والقاھرة۔ ج:۱، ص: ۱۹۰۔

شرعی مسائل دریافت فرماتے، میں نے اُن سے عرض کیا کہ جو کچھ آپ دریافت فرما رہے ہیں اُن کا تعلق دُنیا کی زندگی سے ہے اور بحالتِ موجودہ آپ مردہ ہیں۔ (اس لیے آپ کو ان مسائل کی ضرورت نہیں) تو اُنھوں نے میرا یہ جواب سُن کر فرمایا کہ "کیا آپ بھی اولیاء اللہ کو مُردہ کہتے ہیں"۔[1]

حضرت مُلّا محمودؒ و مُلّا عبدالحکیمؒ کی حضرت میاں میرؒ کی خدمت میں حاضری

حضرت قاضی اطہر مُبارک پوری مدظلہ العالی تحریر فرماتے ہیں۔

"ایک مرتبہ شاہ جہان لاہور گیا، جلوس میں مُلّا محمودؒ (جونپوری م ۱۰۶۲ھ) اور مُلّا عبدالحکیمؒ سیالکوٹی متوفی ۱۰۶۷ھ بھی تھے۔ تینوں (حضرت) میاں میر لاہوریؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے، مگر اقلیمِ فقر و استغناء کے شہنشاہ نے ان کی طرف کوئی توجہ نہیں کی۔ اقلیم دنیا کے شہنشاہ کو اس سے بہت رنج ہوا اور اقلیم علم کے دونوں شہنشاہوں نے عالمانہ شان میں (حضرت) میاں میرؒ سے کہا "توجہ بہ علماء نہ کردن چہ معنی دارد؟ (علماء کی طرف توجہ نہ کرنے کا کیا مطلب ہے؟) (حضرت) میاں میر صاحبؒ نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا اور اندر سے اپنا کمبل لاکر بچھایا اس پر خود مؤدّب ہو کر بیٹھے اور ان دونوں فاضلوں کو بٹھا کر فرمایا "میں جاہل ہوں، ماشاء اللہ آپ حضرات عالم ہیں اس شعر کا مطلب مجھے سمجھا دیں"۔

؎ مبادا دلِ آں فرو مایہ شاد
کہ از بہرِ دنیا دہد دیں بباد

(اس کمینے کا دل کبھی خوش نہ ہو
جو دنیا طلبی کے لیے دین کو برباد کرتا ہے)

یہ شعر سنتے ہی مُلّا عبدالحکیمؒ پر گریہ کی کیفیت طاری ہوگئی اور مُلّا محمودؒ اتنے متأثر ہوئے کہ اسی وقت درباری زندگی ترک کر کے جونپور آگئے اور باقی زندگی تدریس و تصنیف میں بسر کی"۔[2]

---

[1] اخبار الاخیار اردو، ص: ۱۷۵

[2] دیارِ پورب میں علم اور علماء ص ۳۲۰۔

اہلِ وطن کے لیے لمحۂ فکریہ

ہماری ثقافتی یلغار نے پاکستان کی بنیادیں کھوکھلی کر دیں: سونیا گاندھی

ہم نے اپنی ثقافت متاثر کرا کر ایسی جنگ جیتی جو ہتھیاروں سے جیتنا مشکل ہے' دو قومی نظریہ بکھر گیا

آج ہر پاکستانی بچہ بھارتی کلچر کا دلدادہ ہے' پی ٹی وی رقص دکھا کر ہمارا کام آسان کر رہا ہے

اب پاکستان جلد ٹوٹ جائیگا' ہمیں جنگ لڑنیکی ضرورت نہیں: اندرا گاندھی کی بہو کی زہرافشانی

بمبئی (پی پی اے) انڈیا کے سابق وزیراعظم راجیو گاندھی کی بیوہ سونیا گاندھی نے کہا ہے کہ ہم نے پاکستان میں اپنی ثقافت متعارف کروا کر ایک ایسی جنگ جیتی ہے جو ہتھیاروں سے جیتنا ناممکن تھی' اب کی بار ہم نے پاکستان پر ایک ثقافتی یلغار کی ہے جس

باقی صفحہ 4 بقیہ نمبر 16

بقیہ نمبر 16 سونیا گاندھی

نے پاکستان کی بنیادوں کو کھوکھلا کر دیا ہے۔ ان خیالات کا اظہار جمعہ کے روز بمبئی کے فائیو سٹار ہوٹل میں "جدید جنگ اور ہم" کے موضوع سے خطاب کرتے ہوئے کیا۔ سونیا گاندھی کا کہنا ہے کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ جدید جنگوں کی حکمت عملی میں بھی تبدیلی آگئی ہے' اب سرحدوں پر لڑائی نہیں لڑی جاتی بلکہ اب نظریاتی جنگوں کا دور ہے۔ پاک و ہند کو چند مذہبی جنونیوں نے اپنے مقاصد کے لئے دو حصوں میں تقسیم کیا تھا اور آج تاریخ اور حقائق گواہ ہیں کہ ہم نے اس اسلامی ملک میں اپنی ثقافت متعارف کروا کر دو قومی نظریہ کو پاش پاش کر دیا ہے' آج پاکستان کا بچہ بچہ ہندوستانی ثقافت کا دلدادہ ہے اور تو اور اب پاکستان ٹیلیویژن بھی رقص بڑے فخر سے دکھا کر ہمارا کام آسان کر رہا ہے' اب ہمیں پاکستان کو ہتھیاروں سے نشانہ نہیں بنانا پڑے گا اور مجھے یقین ہے کہ پاکستان بہت جلد ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو جائیگا۔

(روزنامہ خبریں صفحہ ۱ کالم نمبر ۵، ۹ مارچ ۱۹۹۶ء)

آپ ہی اپنی اداؤں پہ ذرا غور کریں
اگر ہم عرض کریں گے تو شکایت ہو گی

اعلانِ داخلہ

المعراج ایکٹرو ہومیو پیتھی میڈیکل کالج پراسپکٹس فری جوابی لفافہ بھیج کر منگوالیں۔ کورس ڈی۔ای۔ایچ۔ایم ــ بی، ای، ایچ، ایم ــ ڈی، ڈی، ایس، سی ڈاک کورس طلبہ وطالبات داخلہ لے سکتے ہیں۔

دو طریقے اپنائے ہیں (۱) ریگولر کلاسز (۲) بذریعہ خط و کتابت۔ تعلیم بذریعہ ڈاک

پتہ: المعراج ایکٹرو ہومیو پیتھی میڈیکل کالج کریم پارک نزد ایجنسی سپیپی کولا لاہور۔ المعراج فری ہسپتال کریم پارک نزد ایجنسی سپیپی کولا لاہور

نوٹ: وفاق المدارس کے فارغ التحصیل علماء بھی داخلہ لے سکتے ہیں۔

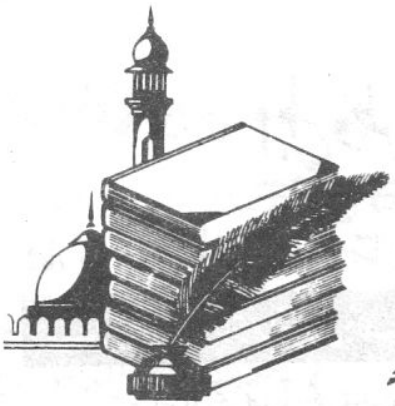

تبصرے کے لئے ہر کتاب کے دو نسخے آنے ضروری ہیں۔

تعارف و تبصرہ

مختلف تبصرہ نگاروں کے قلم سے

نام کتاب : سفرنامۂ ہند

مصنّف : پروفیسر محمّد اسلم سابق صدر شعبۂ تاریخ پنجاب یونیورسٹی لاہور۔

صفحات : ۵۲۰

سائز : $\frac{۳۶ \times ۲۳}{۱۶}$

ناشر : ریاض برادرز ۴۰۔ اُردو بازار لاہور۔

قیمت : -/۲۲۵ روپے۔

قدیم سے دستور چلا آیا ہے کہ لوگ اپنے ذوق اور مزاج کے مطابق اپنے سفرنامے لکھتے رہے ہیں۔ سفرنامہ ابن بطوطہ اور سفرنامہ ابن جبیر اندلسی وغیرہ اسی سلسلہ کی کڑی ہیں جو شہرت دوام حاصل کر چکے ہیں، موجودہ دَور کے سفرناموں میں "دریا۔ کابل سے دریا۔ یرموک تک" مصنّفہ مولانا سیّد ابوالحسن علی ندوی اور "جہانِ دیدہ" مصنّفہ مولانا تقی عثمانی عمدہ سفرنامے ہیں۔

سفرناموں سے جہاں سیاح کی اپنی ذہنی و فکری صلاحیتوں کا پتہ چلتا ہے وہیں اُن سے مختلف ممالک کی معاشی معاشرتی، سیاسی اور اقتصادی صورتِ حال کا بھی اندازہ ہو جاتا ہے۔

سفرناموں کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ اُن سے مختلف ممالک اور مختلف اَدوار کی تاریخ بھی سامنے آجاتی ہے جس سے ایک نئے مؤرخ کے لیے حالات و واقعات کا تجزیہ کرنا اور اُنھیں سلسلۂ تاریخ میں پرونا آسان ہو جاتا ہے۔

حال ہی میں محترم جناب پروفیسر محمد اسلم صاحب جو حضرت مولانا سعید احمد اکبر آبادیؒ کے داماد،

حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب دامت برکاتہم کے مرید اور پنجاب یونیورسٹی کے شعبۂ تاریخ کے صدر رہ چکے ہیں۔ اُنھوں نے اپنا ایک ضخیم سفرنامہ مرتّب کر کے شائع کیا ہے، یہی سفرنامہ اس وقت ہمارے پیشِ نظر ہے اور اسی سفرنامہ کے متعلّق کچھ باتیں عرض کرنی ہیں۔ پروفیسر صاحب کا یہ سفرنامہ پہلے مختلف رسالوں میں قسط وار چھپتا رہا ہے۔ راقم الحروف نے ماہنامہ "الحق" میں چھپنے والی قسطیں بڑی دِل چسپی کے ساتھ پڑھی تھیں۔ بالخصوص وہ قسطیں جن کا تعلق دہلی کے سفر سے تھا۔ کیونکہ راقم کا آبائی وطن دہلی ہے اسی لیے دہلی کی تاریخ سے راقم کو لگاؤ ہے۔ اسی تعلّق کی وجہ سے راقم جب ۱۹۸۸ء میں "دہلی" گیا تو "الحق" کی یہ فائل ساتھ لیتا گیا اور وہاں اس سے خاطر خواہ فائدہ اُٹھایا۔ دوسری وجہ یہ بھی بنی کہ راقم کو تاریخی مقامات دیکھنے اور بزرگانِ دین کے مزارات پر حاضری دینے کا شوق ہے اور پروفیسر صاحب کے اس سفرنامے سے اِن دونوں چیزوں کے حصول میں کافی مدد ملتی تھی۔

الغرض مختلف رسائل وجرائد میں چھپنے والے سفرناموں کی اِنہی قسطوں کو پروفیسر صاحب نے معمولی تغیّر و تبدل کے ساتھ کتابی شکل میں شائع کیا ہے۔ راقم الحروف کے پاس یہ سفرنامہ کتابی شکل میں آیا تو راقم نے اسے دل چسپی کے ساتھ از اوّل تا آخر پڑھا اور قند مکرر کا مزہ پایا۔

پروفیسر صاحب نے اس سفرنامہ میں بائیس خواجہ کی چوکھٹ (دہلی) دیوبند، سہارن پور، انبیٹھہ نانوتہ اور گنگوہ کا جس والہانہ انداز میں ذکر کیا ہے۔ وہ انہی کا حصّہ ہے۔ اسے پڑھ کر بالکل ایسے ـــــ محسوس ہُوا جیسے یہ مقامات آنکھوں کے سامنے ہیں اور میں اِن مقامات میں گھوم پھر رہا ہُوں۔

"دیوبند اور اس کے اطراف" کا سفرنامہ لکھتے ہُوئے آپ نے جگہ جگہ اکابر علماء دیوبند کی تعریف اور اُن سے اپنی عقیدت کا اظہار کیا ہے، ایک مقام پر آپ تحریر فرماتے ہیں۔

"مدنی مسجد سے گزر کر ہم قبرستان قاسمی کی طرف مُڑے اس وقت لوگ بڑی تعداد میں اس طرف جا رہے تھے۔ قبرستان میں داخل ہونے سے قبل ہم نے جوتے اُتارے اور السلام علیکم یا اھل القبور کہتے ہُوئے اس بقعۂ مُبارک میں داخل ہُوئے، دہلی میں مہندیوں کے قبرستان میں خاندانِ ولی اللّٰہی کی قبور کے علاوہ پُورے برِّ عظیم میں ایسا کوئی مقام نہیں جہاں علم و تقویٰ کا اتنا بڑا خزانہ دفن ہو، منھا خلقنٰکم وفیھا نعیدکم ومنھا نخرجکم تارۃً اخریٰ کے فرمانِ خداوندی کے مطابق یہ شرف دیوبند کے اس چھوٹے سے خطّے کو جسے

عرفِ عام میں "خطّۂ صالحین" کہتے ہیں حاصل ہے کہ اس کی خاکِ پاک سے ایسی عظیم ہستیوں کا خمیر اُٹھایا گیا جن کی صدائے قال اللہ وقال الرسول سے برّعظیم کے علاوہ عرب وعجم گونج اُٹھے۔

یک بار نالہ کردہ ام از دردِ اشتیاق از شش جہت ہنوز صدا میتواں شنید"[1]

پروفیسر صاحب کا تعلق صرف تاریخ ہی کے ساتھ نہیں بلکہ دین اور حاملینِ دین کے ساتھ بھی ہے اس بنا پر وہ اپنے اس سفرنامہ میں تاریخی مقامات کے ساتھ ساتھ دینی، علمی، ادبی اور روحانی مقامات کی سیر بھی کرواتے ہیں اور مختلف مشائخ کرام اور اولیاء عظام کا تعارف بھی کرواتے ہیں۔

اب چونکہ حالات وزمانہ میں بڑی تبدیلی آچکی ہے اور قدیم زمانے کے جغرافیائی حالات بدل چکے ہیں اس لیے عام لوگ ماضی کے بہت سے علمی وروحانی مشاہیر کے نام اور اُن کے تذکرہ سے آگاہ ہونے کے باوجود اُن کے روحانی مراکز، علمی منابع اور ان کے مدافن و مزارات سے ناآشنا ہیں۔ پروفیسر صاحب کو اللہ تعالیٰ جزادے کہ اُنھوں نے اس سفرنامہ میں اکابر واسلاف اور اساطینِ علم وفضل کے بہت سے ایسے مراکز اور ان کے مدافن ومزارات کا پتہ دیا ہے جن کے تذکرے سے تاریخ کی کتابیں بالکل خالی ہیں، اس لحاظ سے پروفیسر صاحب کی یہ کاوش ایک انتہائی عمدہ کاوش ہے جو صرف سفرنامہ ہی نہیں بلکہ ایک تاریخی دستاویز ہے جس سے تاریخ سے دلچسپی رکھنے والوں کو بڑی معلومات حاصل ہوسکتی ہیں۔

جناب نوید حنفی صاحب مالک ریاض برادرز لائقِ تبریک ہیں کہ اُنھوں نے اسے دیدہ زیب انداز میں شائع کرکے عوام تک پہنچایا ہے۔

سفرنامہ کے مطالعہ کے دوران راقم الحروف نے بطور مشتے نمونہ از خروارے چند چیزیں نوٹ کی ہیں جن میں راقم کے خیال کے مطابق ترمیم واضافہ نیز تنقیح وتصحیح کی ضرورت ہے، اُمید کی جاتی ہے کہ پروفیسر صاحب ان پر توجّہ اور نظرثانی فرماکر آئندہ ایڈیشن میں اُن کی اصلاح فرمادیں گے۔

(۱) پروفیسر صاحب نے "ساحلِ گجرات اور دکن" کا سفرنامہ لکھتے ہوئے "بھڑوچ" کا ذکر کیا ہے،

---

[1] سفرنامہ ہند ص: ۲۹۹

بھڑوچ کے تذکرہ میں آپ نے حضرت صبغۃ اللہ بروجیؒ کا تعارف کروایا ہے اور یہ بھی ذکر کیا ہے کہ وہاں آپ اُن کے مزار کی جستجو میں رہے لیکن پتہ چلا کہ وہ تو مکّہ مکرمہ میں مدفون ہیں۔ پروفیسر صاحب کا ذہن اس طرف نہیں گیا کہ اسی بھڑوچ میں حضرت خواجہ سیّد محمد حسینی گیسو دراز رحمہ اللہ کے پوتے حضرت شاہ یداللہ رحمہ اللہ کے خلیفۂ اجل حضرت سیّد کمال الدّین قزوینی رحمہ اللہ (متوفی ۸۸۱ھ) کا مزار مُبارک بھی ہے جو مرجعِ خلائق ہے۔ آپ حضرت صبغۃ اللہ بروجیؒ سے بہت پہلے کے بزرگ ہیں۔ بھڑوچ کا تذکرہ ان کے ذکر کے بغیر نامکمّل ہے۔

(۲) پروفیسر صاحب صفحہ ۲۵ پر "داؤدی بوہروں" کا تذکرہ کرتے ہوئے رقمطراز ہیں

"ہوا یُوں کہ امام جعفر صادقؒ کا بڑا بیٹا اسماعیل ان کی زندگی ہی میں فوت ہوگیا اس لیے امام صاحب کی وفات کے بعد اُن کا دوسرا بیٹا موسیٰ کاظمؒ منصب امامت پر فائز ہوا" الخ

پروفیسر صاحب کے اس اندازِ تحریر سے ایسے محسوس ہوتا ہے جیسے امام جعفر صادق ان کے صاحبزادے اسماعیل اور موسیٰ کاظم علیہم الرحمۃ والرضوان کوئی معمولی درجے کے لوگ ہیں اس لیے ان کے اسمائے گرامی کے ساتھ کسی قسم کے القاب ذکر کرنے اور ان کے لیے دُعائیہ کلمات لکھنے کی ضرورت نہیں، اس اندازِ تحریر سے ہمیں اختلاف ہے۔ کیونکہ ہمارا عقیدہ ہے کہ یہ حضرات بڑے اُونچے درجے کے لوگ ہیں۔ اس لیے اُن کا تذکرہ انتہائی عقیدت ومحبّت آداب والقاب اور دُعائیہ کلمات کے ساتھ ہونا چاہیے۔

بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ شیعہ حضرات نے جن بارہ بزرگوں کو اپنا امام بنا رکھا ہے وہ بس اُنہی کے بزرگ ہیں۔ ہمارے نزدیک اُن کی کوئی حیثیّت نہیں یہ بات بالکل غلط ہے جو شیعہ دُشمنی کی وجہ سے پیدا ہوئی ہے، حقیقت یہ ہے کہ یہ بارہ امام اصحابِ رشد وہدایت، اولیاء کبار اور آلِ رسول ہیں (صلّی اللہ علیہ وسلّم) ان سے ہمارا دینی علمی اور روحانی ہر طرح کا تعلّق ہے، اور یہ ہمارے (اہلِ سُنّت) کے بزرگ ہیں۔ البتّہ شیعہ حضرات نے جو اُن کے متعلّق تصوّرات قائم کر رکھے ہیں اُن سے ہمارا کوئی واسطہ نہیں۔

(۳) پروفیسر صاحب نے صفحہ ۵۶ پر احمد آباد کے سفر کے حالات لکھتے ہوئے حضرت وجیہہ الدّین علوی گجراتی رحمہ اللہ کا تذکرہ کیا ہے۔ اُن کے تذکرہ کے ضمن میں آپ تحریر فرماتے ہیں۔

"جب شیر شاہ سوری نے حضرت محمد غوث گوالیاری (م ۱۵۶۲ء) کو ہمایوں کے ساتھ

تعلّقات کی بناء پر تنگ کرنا شروع کیا تو موصوف گوالیار سے ترکِ وطن کرکے احمد آباد چلے آئے یہاں اُنھوں نے معراج نامہ تصنیف کیا۔ اس کتاب کی علّامہ اقبال کو بڑی تلاش رہی لیکن وہ اس کے حصول میں ناکام رہے مجھے اس کا ایک نسخہ اسی سفر کے دوران مل گیا، اس تصنیف دل پذیر میں حضرت گوالیاری نے یہ تحریر فرمایا تھا کہ بعض ناسمجھ لوگ تو نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے جسمانی معراج کا انکار کرتے ہیں اور یہاں اُنھیں کئی بار معراج ہوئی ہے، اس پر ایک ہنگامہ بپا ہوگیا، شیخ علی متقی (م ۱۵۶۷ء) نے ان کے خلاف کُفر کا فتوٰی داغ دیا" الخ

یہی واقعہ پروفیسر صاحب نے گوالیار کے سفر کے حالات کے ضمن میں ذرا تفصیل سے لکھا ہے، اس میں آپ نے یہ بھی تحریر فرمایا ہے۔

"یہ رسالہ اُنھوں نے گجرات کے قیام میں تحریر فرمایا تھا۔ اس لیے عُلماء گجرات نے ان کے خلاف کُفر کا فتوٰی صادر کر دیا، جب یہ فتوٰی قاضی القضاۃ شیخ وجیہ الدّین گجراتی کے سامنے توثیق کے لیے پیش کیا گیا تو اُنھوں نے مجرم کو اپنے حضور طلب کیا۔ جب شیخ محمد غوث کو اُن کے سامنے لایا گیا تو شیخ وجیہ الدین نے ان کے رُخِ انور کو دیکھ کر فتوٰی چاک کر ڈالا اور حاضرین سے کہا کہ ایسے نورانی چہرے والا بزرگ جھوٹا نہیں ہوسکتا، شیخ علی متقی (م ۱۵۶۷ء) گجرات کے نامور عالم تھے وہ شیخ وجیہ الدین کے اس فعل پہ اس قدر خفا ہوئے کہ اپنے کپڑے پھاڑ کر ان کے گھر پہنچے اور ان سے کہا کہ وہ ترویج کُفر و بدعت پر کس طرح راضی ہوگئے؟ شیخ وجیہ الدین نے کہا کہ ہم جو کچھ کہتے ہیں وہ قال ہے اور شیخ محمّد غوث جو کچھ فرماتے ہیں وہ حال ہے، بعد ازاں شیخ وجیہ الدین نے حضرت محمد غوث کی بیعت کرلی اور ان کے سب سے بڑے خلیفہ بنے ان حالات میں شیخ علی متّقیؒ گجرات کی سکونت ترک کرکے حجاز مقدس چلے گئے"[1]

پروفیسر صاحب کے اس بیان کردہ واقعہ میں کچھ باتیں محلِ نظر ہیں اگر اُن پر نظرثانی کر لی جائے تو اچھّا ہے۔

(۱) پروفیسر صاحب کے بیان سے معلوم ہو رہا ہے کہ حضرت شاہ محمد غوثؒ نے یہ رسالہ گوالیار سے

---

[1] سفرنامۂ ہند ص: ۳۶۷

احمد آباد آکر لکھا ہے، مگر مؤرخین کے بیان سے پتہ چلتا ہے کہ آپ نے یہ گوالیار ہی میں لکھا تھا۔

چنانچہ مفتی غلام سرور لاہوری لکھتے ہیں۔

"بعضے حاسدان معراج نامہ شیخ را نزد شیر شاہ بادشاہ بردند و بہ عرض رسانیدند کہ وے دریں کتاب کلمات خلاف شرع تحریر فرمودہ است، شیر شاہ در پے آزار شد، پس شیخ از گوالیار بہ گجرات رفت"[1]

کچھ حاسد شیخ کا معراج نامہ شیر شاہ سوری کے پاس لے گئے اور عرض کیا کہ شیخ نے اس کتاب میں بہت سے کلمات خلافِ شرع تحریر فرمائے ہیں۔ شیر شاہ شیخ کے درپے آزار ہوگیا، شیخ گوالیار سے گجرات چلے آئے۔

(۲) پروفیسر صاحب کے بیان سے معلوم ہو رہا ہے کہ حضرت شاہ محمد غوثؒ پر کفر کا فتویٰ لگانے والے علماء کے سرخیل شیخ علی متقی وہ شیخ علی متقی ہیں جو حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلویؒ کے استاذ الاستاذ اور مہاجر مکی ہیں، لیکن "تذکرۃ الوجیہ" کے مصنف سید حسینی پیر علوی کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ علی متقی نام کے دو بزرگ ہیں اور حضرت شاہ محمد غوثؒ پر کفر کا فتوی لگانے میں پیش پیش شیخ علی متقی مہاجر مکی نہیں، بلکہ دوسرے شیخ علی متقی ہیں۔

چنانچہ سید حسینی پیر لکھتے ہیں۔

"شیخ علی متقی حضرت سلمان فارسی کی اولاد سے تھے۔ قصبۂ اساول احمد آباد میں مزار ہے، اور دوسرے شیخ علی متقی علامہ محدث دہلوی کے مرشدوں سے تھے، ان کا قیام مکہ معظمہ میں تھا، سلطان محمود ثانی کے زمانے میں آپ احمد آباد آئے اور شاہ وجیہ الدینؒ نے بھی آپ سے شرفِ ملاقات حاصل کیا ہے"[2]

سید حسینی پیر کی اس بات کو اس سے بھی تقویت ملتی ہے کہ مؤرخین لکھتے ہیں حضرت شاہ محمد غوثؒ ۹۴۷ھ میں گجرات تشریف لائے ہیں اور آپ کے گجرات آنے پر یہ ہنگامہ کھڑا ہوا ہے اور علامہ شعرانیؒ کے بیان سے پتہ چلتا ہے کہ ۹۴۷ھ میں شیخ علی متقیؒ مکہ مکرمہ میں سکونت پذیر تھے، چنانچہ مولانا

---

[1] خزینۃ الاصفیاء ص: ۳۳۳ [2] تذکرۃ الوجیہ - ص: ۸۰

حکیم عبدالحیؒ لکھنویؒ تحریر فرماتے ہیں

"قال الشعرانی فی الطبقات الکبریٰ اجتمعت به فی مکة سنة سبع واربعین وتسع مائة وترددت الیه وتردد الیّ وکان عالما ورعا زاهدا نحیف البدن لا تکاد تجد علیه اوقیة لحم من کثرة الجوع وکان کثیر الصمت کثیر العزلة لا یخرج من بیته الا لصلوٰة الجمعة فی الحرم فیصلی فی اطراف الصفوف ثم یرجع بسرعة" الخ[1]

امام شعرانی رحمہ اللہ طبقات الکبریٰ میں فرماتے ہیں کہ ۹۴۷ھ میں مکہ مکرمہ میں میری شیخ علی متقی سے ملاقات ہوئی، میں آپ کے پاس آنے جانے لگا اور آپ میرے پاس، آپ بڑے عالم، پرہیزگار اور زاہد تھے، انتہائی پتلے دبلے بدن کے تھے، کثرت سے بھوکا رہنے کے سبب ایسے ہوگئے تھے کہ تمہیں ان کے بدن پر ایک اوقیہ گوشت بھی نہیں ملے گا۔ آپ انتہائی خاموش اور عزلت نشین تھے۔ گھر سے صرف حرم شریف میں جمعہ پڑھنے کے لیے نکلتے تھے اور صفوں کے طرف میں کھڑے ہوتے تھے اور جلد ہی گھر واپس چلے آتے تھے۔

شاید یہی وجہ ہے کہ حضرت شاہ عبدالحق محدّث دہلویؒ نے اخبار الاخیار میں آپ کا طویل ترین تذکرہ لکھنے کے باوجود اس واقعہ کی طرف اشارہ تک نہیں کیا۔

یاد رہے کہ علماء گجرات نے جو حضرت شاہ محمدؒ غوث پر کفر کا فتویٰ لگایا تھا اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ نے معراج نامہ میں کچھ باتیں ایسی لکھ دی تھیں جو ظاہرِ شرع کے خلاف تھیں۔ بالخصوص اپنی معراج کے متعلق، لیکن جب آں موصوف نے اس کی وضاحت کر دی کہ "یہ واقعہ بے خودی کا تھا جس میں مجھے ظاہر کی کچھ خبر نہ تھی" تو فتویٰ کفر واپس لے لیا گیا، تفصیل کے لیے خزینۃ الاصفیاء کا مطالعہ کیا جائے۔

④ پروفیسر صاحب ص: ۱۳۹ پر حضرت امیر خسرو رحمہ اللہ کا تعارف کرواتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔

"امیر خسرو بیک وقت ایک بلند پایہ مؤرخ۔ عدیم المثال شاعر، اونچے درجے کے موسیقار، کامیاب درباری، تجربہ کار سپاہی اور صوفی باصفا تھے۔"

---

[1] نزھة الخواطر، جلد: ۴، ص: ۲۴۲

پروفیسر صاحب نے حضرت امیر خسرو رحمہ اللہ کے متعلق جو یہ تحریر فرمایا ہے کہ وہ اونچے درجے کے موسیقار اور کامیاب درباری تھے اس سے راقم کو سخت وحشت ہوئی، یہ الفاظ حضرت امیر خسرو رحمہ اللہ جیسی شخصیت کے متعلق لکھنا کسی طرح زیب نہیں دیتا، ان الفاظ سے اُن کی تعریف نہیں توہین ہوتی ہے۔ اس لیے کہ موسیقار اور درباری کا جو مفہوم و مطلب معاشرہ میں لیا جاتا ہے وہ انتہائی گھٹیا قسم کا ہے، سنجیدہ طبقے میں ایسے لوگوں کو اچھا نہیں سمجھا جاتا، پروفیسر صاحب کی تحریر سے تو ہر کوئی یہ نتیجہ نکالے گا کہ حضرت امیر خسرو رحمہ اللہ آلاتِ موسیقی پر مختلف دُھنیں بکھیرنے والے موسیقار اور آج کل کی طرح بادشاہوں کے وظیفہ خوار اور اُن کی ہر بات کے اندر ہاں میں ہاں ملانے والے درباری ہوں گے۔ العیاذ اللہ حالانکہ معاملہ ہرگز ایسا نہیں ہے۔ صرف اتنی سی بات ہے کہ آپ جو قصائد اور غزلیں پڑھتے تھے، ان میں خوش آوازی اور ترنم ہوتا تھا اور یہ بات ظاہر ہے کہ خوش آوازی اور ترنم کے ساتھ اشعار پڑھنے والے کو موسیقار نہیں کہا جاتا، دوسرے یہ بھی دیکھنا چاہیے کہ آپ حضرت خواجہ نظام الدین اولیا رحمہ اللہ کے محبوب مرید اور اُن کے منظورِ نظر شاگرد تھے اور حضرت خواجہؒ کو مزامیر (آلاتِ موسیقی) سے سخت نفرت تھی، چنانچہ سیر الاولیاء میں ہے کہ

"مجلس میں ایک مرتبہ ایک شخص نے حضرت سلطان المشائخ سے عرض کیا کہ اِن دنوں حاضر باش درویشوں نے ایک ایسی مجلس میں چنگ و رباب اور مزامیر تھے شرکت کی اور رقص کیا، فرمایا اچھا نہیں کیا، جو خلافِ شرع ہے وہ ناپسندیدہ ہے"۔ اس پر ایک شخص نے عرض کیا کہ یہ لوگ جب باہر آئے اور لوگوں نے ان سے کہا کہ یہ آپ نے کیا کیا۔ اس مجلس میں مزامیر تھے، آپ نے سماع کس طرح سُنا اور رقص کیا؟ اُنھوں نے جواب دیا کہ ہم سماع میں ایسے مستغرق تھے کہ ہمیں کچھ پتہ نہ چلا کہ مزامیر ہیں یا نہیں، حضرت سلطان المشائخ نے سُن کر فرمایا کہ "یہ جواب بھی کچھ نہیں یہ بات تو ہر معصیت کے متعلق کہی جا سکتی ہے"۔[1]

ایسی صُورت میں یہ کیونکر ممکن ہے کہ حضرت امیر خسروؒ موسیقار ہوں۔

عام طور پر کہا جاتا ہے کہ حضرت امیر خسرو "ستار" کے موجد ہیں، تلاش کے باوجود ہمیں

---

[1] سیر الاولیاء بحوالہ تاریخ دعوت و عزیمت ج: ۳، ص: ۱۱۹

اس کا کوئی ایسا مستند تاریخی پروف نہیں ملا جس پر اعتماد کیا جاسکے اور اگر بالفرض مان بھی لیا جائے تو یہ اُن کی سابقہ زندگی کی بات کہی جائے گی جب تک کہ اُنھوں نے تصوف کی لائن میں قدم نہیں رکھا تھا۔ حضرت خواجہ نظام الدینؒ اولیا سے بیعت ہونے کے بعد اُن سے کسی ایسی چیز کا ثبوت نہیں پیش کیا جاسکتا، ومن یدعی فعلیہ البیان رہا حضرت امیر خسرو رحمہ اللہ کا درباری ہونا تو اس کے متعلق ہم پروفیسر خلیق احمد نظامی صاحب کی تحریر پیش کیے دیتے ہیں اُنھوں نے اس مسئلہ کو بہت عمدہ انداز میں سمجھایا ہے خوش قسمتی سے نظامی صاحب پروفیسر اسلم صاحب کے اُستاذ بھی ہیں[1]

نظامی صاحب تحریر فرماتے ہیں۔

"خسرو کی زندگی کا کافی حصہ دربار میں گزرا تھا، لیکن وہ دربار میں رہتے ہوئے بھی دربار کے آدمی نہیں تھے۔ اُن کے افکار و جذبات کی دُنیا اور تھی، ظاہری مشاغل کی اور ــــــ خود لکھتے ہیں ؎

دلم نگشت کشادہ بہ ہیچ دلبندے
تمام لشکر، ہمرہِ مرا، ومن تنہا

اُن کی شخصیت میں بعض ایسے بُنیادی اُصول رس بس گئے تھے کہ مادی دولت اور دینوی عزّت کی اُن کی نظر میں بالکل کوئی وقعت نہیں رہی تھی۔ قِران السعدین میں لکھتے ہیں کہ بادشاہ نے صلۂ وافر کا وعدہ کرکے مجھے اس کام پر آمادہ کیا تھا، مگر میں نے اس کی طمع میں یہ مثنوی نہیں لکھی۔ میرا سخن بجائے خود ایک خزانہ ہے اس کے سامنے گنجِ زر کی کیا حقیقت ہے۔ اگر بادشاہ کچھ عطا کرے گا تو میں لے لوں گا، نہ دے گا تو مجھ کو اس کی پروا نہیں۔ شاعری کی بدولت مجھ کو جو صلہ ملتا ہے اس کو دس گنا کرکے مستحقین میں تقسیم کر دیتا ہوں ؎

من کہ نہادم زسخن گنج پاک
گنج زر اندر نظرم چیست! خاک

اُنھوں نے قصیدے ضرور لکھے لیکن وہ "قصیدہ گوئی" کو اچھا نہیں سمجھتے تھے۔ اُن کا خیال تھا کہ مدح سرائی دل کی موت کے مترادف ہوتی ہے۔ کہتے ہیں ؎

---

[1] سفرنامۂ ہند ص: ۴۴۸

از گفتنِ مدح دِل بمیرد
شعر اَرچہ تر و فصیح باشد

مدح سرائی سے دِل مر جاتا ہے، چاہے شعر کتنا ہی فصیح اور عمدہ کیوں نہ ہو۔

گردد ز نفس چراغ مُردہ گر خود نفسِ مسیح باشد

پھونک سے چراغ بجھ جاتا ہے خواہ وہ دمِ مسیح ہی کیوں نہ ہو۔

پھر ہَوا و حرص کی مذمّت کرتے ہُوئے لکھتے ہیں ؎

عرقِ فقیر اَزْ بھوا سر کشد از رگِ او رشتۂ زُنّار بہ

اگر فقیر کی نس خواہشاتِ نفسانی سے پھڑکے تو ایسی رگ سے زنار بہتر ہے۔

امیر خسروؒ کی سیرت کا ایک اہم پہلو اس سے بھی واضح ہوتا ہے کہ اُنھوں نے ان مثنویوں میں جو بادشاہوں کے لیے لکھی گئی ہیں، اپنے پیر و مُرشد کا ذکر پہلے کیا ہے اور بادشاہ کا اس کے بعد۔ دونوں کا شعری حیثیّت سے مقابلہ کیجیے تو فوراً اندازہ ہوجائے گا کہ آمد کہاں ہے اور آورد کہاں، دل کہاں کام کر رہا ہے اور دماغ کی کاوش کے نتیجے کہاں ظاہر ہو رہے ہیں۔ سلطان علاء الدین خلجی کو مثنوی پیش کر رہے ہیں، اس میں اپنے شیخ کے متعلّق لکھتے ہیں ؎

شاہنشہے بے سریر و بے تاج
شاہانش بخاک پاتے محتاج

ذرا اس ہمّت اور جرأت کا اندازہ کیجیے کہ سرکاری ملازم ہوتے ہوئے، بادشاہ سے اور وہ بھی علاء الدین خلجی سے کہتے ہیں کہ بادشاہ تو حضرت محبوب الٰہیؒ کی خاکِ پا کے محتاج ہیں۔

جلال الدین خلجی کا واقعہ بھی اُن کی سیرت اور کردار پر روشنی ڈالتا ہے۔ سلطان نے ایک بار حضرت محبوب الٰہی سے ملنے کی خواہش کی۔ شیخ بادشاہوں سے ملنے سے گریز کرتے تھے، چنانچہ اُنھوں نے معذرت کر دی۔ امیر خسروؒ سلطان کے "مصحف دار" تھے۔ اُن سے ایک دن کہنے لگا کہ اَب میں شیخ کو اطلاع کیے بغیر اُن کے جماعت خانہ میں حاضر ہوں گا۔ امیر خسروؒ نے سلطان کے اس ارادہ سے اپنے پیر و مرشد کو مطلع کر دیا حضرت محبوب الٰہیؒ نے جب یہ سُنا تو دہلی چھوڑ کر اجودھن اپنے پیر کے مزار کی زیارت کے لیے چلے گئے۔ سلطان کو معلوم ہُوا تو خسروؒ پہ ناراض ہوا اور پُوچھا کہ اُنھوں نے اس کا شیخ سے ذکر کیوں کیا۔ خسروؒ نے جو جواب

دیا وہ اُن کی شخصیت کے حقیقی خدوخال کو نمایاں کرتا ہے۔ اُنھوں نے کہا کہ مجھے بادشاہ کی رنجش سے صرف جان ہی کا خوف تھا، لیکن سلطان المشائخ کی رنجش سے ایمان کے جاتے رہنے کا اندیشہ تھا۔ (سیر الاولیاء) جن مصنفین نے دربار سے تعلق کو اُن کی زندگی کا مرکز و محور قرار دیا ہے، ان کو یہ واقعہ بھی پیشِ نظر رکھنا چاہیے۔

پھر مبارک خلجی کے زمانہ میں اُن کی عقیدت کی اس سے زیادہ آزمائش ہوئی، لیکن اُن کے پائے ثبات میں ذرّہ برابر لغزش پیدا نہیں ہوئی۔ مبارک خلجی کے تعلقات حضرت محبوبِ الٰہیؒ سے اچھے نہ تھے۔ ضیاء الدّین برنی کا بیان ہے کہ وہ دربارِ عام میں کھلّم کھلا شیخ کے متعلق ناشائستہ کلمات زبان پر لاتا تھا اور اُس نے اُمراء کو ہدایت کی تھی کہ ــــ شیخ کے جماعت خانہ میں نہ جائیں، لیکن امیر خسرو، نہ صرف یہ کہ اپنے پیر و مُرشد کی خدمت میں برابر حاضر ہوتے رہے، بلکہ اُنھوں نے "مثنوی نہ سپہر" میں جو مبارک خلجی کی فرمائش پر لکھی تھی، خود سلطان کے ذکر سے پہلے اپنے پیر و مُرشد کا ذکر ۵۰ اشعار میں کیا۔ اور اس طرح ان کو خراجِ عقیدت پیش کیا ؎

خوش آندم کہ من زاعتقاد ضمیر گرفتم بحق دست آں دستگیر

کیا ہی اچھا وقت تھا جب مَیں نے اپنے دِلی اعتقاد کی بناء پر اپنے دستگیر کا ہاتھ پکڑا۔

من ازوے لعاب دہاں یافتم کہ زیں گونہ آب دہاں یافتم

اُنھوں نے مجھے لعاب دہان عطا کیا۔ اسی سے مجھ میں گویائی کا کمال پیدا ہُوا۔

جو لوگ اُس زمانہ کے بادشاہوں کے مزاج کی نزاکتوں کا علم رکھتے ہیں۔ وہی اس بے خوف اور جری طبیعت کی گہرائیوں کو پہنچ سکتے ہیں جس نے مزاجِ سلطانی سے بے پروا ہوکر ان الفاظ میں اپنے شیخ کو خراجِ عقیدت پیش کیا ہے۔

امیر خسروؒ کی شخصیت کا یہ پہلو کبھی نظر انداز نہیں کرنا چاہیے کہ اُنھوں نے کبھی اپنے ضمیر کی آواز کو دربارِ شاہی میں بھی خاموش نہیں کیا۔ جب بادشاہوں کو ہنگامہ ہائے ناؤ نوش میں مُبتلا پایا تو صاف تنبیہہ کی ؎

نشاید بادشہ رامست بودن نہ درعشق و ہوس پیوست بودن

بادشاہ کو مست نہیں رہنا چاہیے اسے عشق و ہوس سے دُور رہنا چاہیے

بودشہ پاسبانِ خلق پیوست خطا باشد کہ باشد پاسبان مست

بادشاہ رعایا کا ہمیشہ نگہبان ہوتا ہے — پاسبان کا مست رہنا جُرم ہے
شُباں چوں شد خراب از بادۂ ناب — رمہ در معدۂ گرگاں کند خواب
چرواہا اگر شراب پی کر مست ہوجائے — تو اس کا گلّہ، بھیڑیوں کے معدہ میں پہنچ جاتا ہے

علاء الدین خلجی کو ہدایت کرتے ہیں کہ

یاد کن زاں گدائے بے توشہ — کہ شب افتد گرسنہ در گوشہ
اس بے سروسامان فقیر کو یاد کر — جو رات کو ایک گوشہ میں بھوکا پڑا ہے
کہ چوفردا شمار کار کنند — اوّل از مفلساں شمار کنند
کل جب قیامت کے دن حساب ہوگا — تو سب سے پہلے مفلسوں ہی کے متعلق پوچھا جائیگا۔[1]

⑤ پروفیسر صاحب نے تقریباً ساری کتاب میں تاریخہائے وفات وغیرہ سب انگریزی کی درج کی ہیں اگر پروفیسر صاحب ان تاریخوں کے ساتھ اسلامی ہجری تاریخ بھی ذکر فرماتے تو اچھا تھا۔ کیونکہ اس سے ایک تو اسلامی تشخص اُبھرتا ہے۔ دوسرے یہ بزرگانِ دین کے تذکرہ کے بھی مناسب ہے۔

⑥ پروفیسر صاحب صفحہ ۵۲ پر تحریر فرماتے ہیں

"اجمیر سے ٹرین میں میرا ساتھ ایک بُوڑھے سکھ کے ساتھ ہوگیا وہ پھلروان ضلع سرگودھا کا رہنے والا تھا۔ وہ دہلی سے احمد آباد جارہا تھا جہاں اس کا فرنیچر کا کاروبار تھا وہ مجھے ہندو ہی سمجھتا رہا میں نے بھی اپنی کسی حرکت سے اس کے جذبات کو ٹھیس پہنچانی مناسب نہ سمجھی۔"

ایک دوسرے مقام پر آپ حضرت شیخ سلیم چشتیؒ کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"مزار کا مجاور مجھے بھی ہندو ہی سمجھا اس نے مجھے دیکھ کر یہ کہنا شروع کیا کہ یہ اکبر کے گورو شیخ سلیم کی سمادھی ہے۔ مجھے جتنی بھینٹ چڑھانی ہے وہ گولر میں ڈال دوں۔"[2]

ایک اور مقام پر رقم طراز ہیں۔

---

[1] تاریخی مقالات ص: ۶۶ تا ۶۹ [2] سفرنامہ ہند ۳۶۲

اس تحریر میں "اخلاق حسین دہلوی" غلط ہے۔ "اخلاق حسین قاسمی" ہونا چاہیے۔ اس لیے کہ ڈاکٹر شریف حسین قاسمی مولانا اخلاق حسین قاسمی کے فرزند ہیں نہ کہ اخلاق حسین دہلوی کے اسی طرح "محاسن موضح القرآن" مولانا اخلاق حسین قاسمی کی کتاب ہے نہ کہ اخلاق حسین دہلوی کی، یاد رہے کہ مولانا اخلاق حسین قاسمی اور مولانا اخلاق حسین دہلوی دو الگ الگ شخصیات ہیں جن میں سے مولانا اخلاق قاسمی بقید حیات ہیں اور مولانا اخلاق حسین دہلوی کا انتقال ہو چکا ہے۔

⑧ صفحہ ۲۵۳ پر پروفیسر صاحب بابری مسجد کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں

"رکشا والا مجھے گولہ گھاٹ لے گیا، میں نے دیکھا کہ ہندو یاتری ڈنڈوت کرتے ہوئے ان مندروں کی طرف جا رہے تھے، میں نے رکشا ہی میں اشاروں کے ساتھ عصر کی نماز ادا کی۔"

ایک صفحہ بعد تحریر فرماتے ہیں۔

"میں اجودھیا کی دل بھر کر سیر کر چکا تھا اور مغرب کا وقت بھی قریب ہو رہا تھا۔ اس لیے فیض آباد جانے کے لیے رکشا پر سوار ہوا اور اشاروں کے ساتھ نماز ادا کی۔"

پروفیسر صاحب کو شاید مسئلہ معلوم نہیں تھا جو انہوں نے رکشا میں اشاروں سے نماز پڑھ لی، فرض نماز اس طرح پڑھنا جائز نہیں ہے اور نہ ایسے فرض نماز ادا ہوتی ہے کیونکہ فرض نماز میں قیام اور قبلہ رو ہونا شرط ہے جس کے بغیر نماز نہیں ہوتی اِلّا بعذرٍ ہاں نوافل میں گنجائش ہے وہ سواری پر بیٹھ کر بھی ادا کیے جا سکتے ہیں۔ سواری کا رُخ چاہے جدھر بھی ہو، لیکن یہ گنجائش بھی شہر سے باہر ہے نہ کہ شہر کے اندر اور اس میں بھی ابتداءً قبلہ رو ہونا شرط ہے۔

⑨ پروفیسر صاحب نے اس کتاب کے صفحہ ۲۷۳ و ۲۷۴ پر انبیٹھ کے سفر کے ضمن میں حضرت شاہ ابوالمعالی رحمہ اللہ اور اُن کے مزار کا تذکرہ کیا ہے، اسے پڑھتے ہوئے راقم کے ذہن میں فوراً یہ بات آئی کہ حضرت شاہ ابوالمعالیؒ تو لاہور میں مدفون ہیں اور پروفیسر صاحب اُن کا مزار انبیٹھ میں بتلا رہے ہیں یہ تو کھلا تضاد ہے، پھر تحقیق کرنے سے یہ بات سامنے آئی کہ شاہ ابوالمعالی نام کے دو بزرگ ہیں ایک انبیٹھ میں مدفون ہیں یہ بزرگ چشتی سلسلہ کے ہیں، دوسرے لاہور میں مدفون ہیں جو سلسلۂ قادریہ کے بزرگ ہیں، مناسب تھا کہ پروفیسر صاحب اس طرف اشارہ فرما دیتے تاکہ کسی قسم کی تشنگی نہ رہتی اور قاری تضاد کا شکار نہ ہوتا۔

⑩ پروفیسر صاحب نے گنگوہ کے سفر کے ضمن میں حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ ان کے صاحبزادگان اور خلفاء

"الہ آباد سے علی گڑھ تک چھ ساڑھے چھ گھنٹے کا سفر تھا، راقم نے اپنے سوٹ کیس سے اُردو کی کوئی کتاب نکالی اور اسے پڑھنا شروع کر دیا۔ گھنٹہ سوا گھنٹہ بعد میں نے کتاب بند کی تو میرے سامنے والی سیٹ پر ایک ہندو خاتون بیٹھی تھی اس نے مجھے بڑی حیرت سے دیکھتے ہوئے پوچھا کہ میں نے اُردو کہاں سے سیکھی ہے؟ میں نے کہا کہ لاہور سے، اس نے دوسرا سوال کیا۔ اب کہاں رہتے ہیں؟ میں نے جواب دیا لاہور میں، اس نے اس پر تعجب کا اظہار کرتے ہوئے تیسرا سوال کیا: وہ کیسے؟ وہ یہ سمجھ رہی تھی کہ میں ہندو ہوں اور ہندو کے لاہور میں رہنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔"[1]

یہ تینوں واقعات پڑھ کر افسوس ہوا، اگر ڈاکٹر صاحب یہ واقعات درج نہ فرماتے تو اچھا تھا اس لیے کہ ان تینوں واقعات سے ڈاکٹر صاحب کی مدح کے بجائے قدح نکلتی ہے، کیونکہ ان سے یہ تأثر اُبھرتا ہے کہ موصوف اسلامی تشخص سے اس قدر عاری ہیں کہ انھیں ہر جگہ غیر مسلم، مسلمان سمجھنے کے بجائے اپنے جیسا غیر مسلم سمجھتے رہے۔ ہمیں چاہیے کہ ہم اسلامی تشخص کو اس قدر اُجاگر کریں کہ دُور ہی سے مسلمان نظر آئیں اور کسی غیر مسلم کو ہمارے غیر مسلم ہونے کا شبہ بھی نہ ہو۔

راقم الحروف نے بھی اپنی ہوش میں دو بار ہندوستان کا سفر کیا ہے اور حضرت شیخ سلیم چشتی رحمہ اللہ کے مزار پر حاضری کی سعادت بھی نصیب ہوئی ہے۔ لیکن الحمد للہ ثم الحمد للہ کسی غیر مسلم کو ہمارے غیر مسلم ہونے کا شبہ نہیں ہوا۔

⑦ صفحہ ۹۳ پر پروفیسر صاحب رقم طراز ہیں۔

"شعبۂ فارسی میں ڈاکٹر شریف حسین قاسمی ڈاکٹر نورالحسن انصاری اور ڈاکٹر امیر حسن عابدی سے ملاقات رہی، قاسمی صاحب نے اپنی تصنیفِ دلپذیر "فارسی نثر کی تاریخ" راقم کو عنایت کی، ان کے والد بزرگوار مولانا اخلاق حسین دہلوی نے "محاسن موضح القرآن" لکھ کر شاہ عبدالقادر دہلوی رح کے اُردو ترجمۂ قرآن کی خوبیاں بیان کی ہیں اور معاندین کے منہ بند کر دیے ہیں۔"

---

[1] سفر نامۂ ہند، ص: ۳۸۰

کے متعلق کافی معلومات درج کی ہیں لیکن موصوف کی نظر سے ایک اہم چیز رہ گئی جس کا تذکرہ فائدہ سے خالی نہیں، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ (م ۱۳۲۳ھ/۱۹۰۵ء) کے پوتے مولانا حکیم عبدالرشید محمود رحمہ اللہ (م) تحریر فرماتے ہیں۔

"حضرت شیخ خود تشریف لے گئے، لیکن اپنے بعد ایک ایسا بہتا ہوا دریا چھوڑ گئے جس کا فیض ایک عرصہ تک جاری رہے گا۔ مرنے والے ایک دو ہی اولادوں پر فخر کرتے ہیں، لیکن یہاں تو صلبی اور روحانی اولاد کا ایسا غیر متناہی سلسلہ ہے جو آسانی کے ساتھ ختم ہی نہیں ہو سکتا۔ روحانی اولاد میں خلفاء اور مریدین کی تعداد کسی طرح شمار نہیں کی جا سکتی۔ صرف اتنا سنا گیا ہے کہ علاوہ دوسرے خلفاء اور مستفدین کے تین سو خلفاء سرائے کے قبرستان (بانسو) میں مدفون ہیں۔"[1]

(۱۱) پروفیسر صاحب نے آگرے کے سفر نامہ میں آگرے کے دو محلوں "کلاں محل" اور "گڈریوں والا کٹرہ" کا نیز ان میں مرزا غالب کے بچپن میں رہنے کا ذکر کیا ہے پروفیسر صاحب کی نظر شاید اس طرف نہیں گئی کہ آگرے ہی میں ایک اور محلہ ہے جسے "موتی کٹرہ" کہا جاتا ہے۔ اس محلے میں سلسلہ چشتیہ کے عظیم بزرگ حضرت سید شیخ محمدی اکبر آبادی رحمہ اللہ (م ۱۰۷۰ھ) مدفون ہیں آپ حضرت شاہ محب اللہ الہ آبادی رحمہ اللہ (م ۱۰۵۴ یا ۱۰۵۸ھ) کے خلیفہ ہیں۔ اور حضرت شاہ محب اللہ رحمہ اللہ کا تذکرہ پروفیسر صاحب نے اس سفر نامہ میں ص ۳۷۲، ص ۳۷۳ پر کیا ہے۔

(۱۲) پروفیسر صاحب صفحہ ۳۷۲ پر تحریر فرماتے ہیں۔

"آنجہانی مالک رام (م ۱۹۹۳ء) کو اس خانوادے کے ساتھ بڑا لگاؤ تھا۔"

پروفیسر صاحب کی اس تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مالک رام کو تاحال غیر مسلم سمجھتے ہیں اسی لیے موصوف نے ان کیلئے آنجہانی کا لفظ استعمال کیا ہے جو کہ غیر مسلموں کیلئے استعمال کیا جاتا ہے۔ ہمیں تعجب ہے کہ ایسا کیوں ہے؟ مالک رام نے وفات سے چند روز پیشتر اسلام قبول کر کے اپنا نام مالک رام تبدیل کر کے عبدالمالک رکھ لیا تھا اسکی تفصیل عبدالمالک نے جو خط مدیر "ارمغان دعوت" کے نام لکھا تھا۔ اسمیں نیز سید نعیم حامد علی کے مکتوب بنام مشفق خواجہ میں دیکھی جا سکتی ہے۔ یہ دونوں خط حضرت سید نفیس شاہ صاحب دامت برکاتہم نے ایک پمفلٹ کی شکل میں شائع کر دیے ہیں۔ اگر پروفیسر صاحب کو انکا علم نہیں تو تعجب کی بات ہے اور اگر علم ہے تو پھر بھی پروفیسر صاحب کا عبدالمالک کو غیر مسلم سمجھنا افسوسناک ہے، کیونکہ جب کسی کے مسلمان ہونیکی دو ثقہ افراد گواہی دیدیں تو پھر اسے مسلمان نہ سمجھنا کسی طرح بھی درست نہیں۔ بہرطور یہ چند باتیں دورانِ مطالعہ راقم نے نوٹ کی تھیں جنہیں محض اس نیت سے ذکر کر دیا ہے کہ اگر ان پر نظر ثانی کر لی جائے تو اچھا ہے۔ (ن ــــ د)

---

[1] سیرت قدوسیہ ص: ۷۰۔